قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار طلوع اسلام کراچی

جلد نمبر ۸
شمارہ ۱۵

کراچی : ہفتہ ۱۴ - مئی ۱۹۵۵ء

قیمت چار آنہ
سالانہ دس روپے

قرآن نے کیا کہا؟

قران نے کہا ہے کہ دین میں فرقے پیدا کرلینا شرک ہے - یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس نے رسول اللہ سے کہدیا کہ - ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا لست منھم فی شئی (۶/۱۶۰) - جو لوگ اپنے دین میں فرقے پیدا کرلیں اور خود بھی ایک گروہ بنکر بیٹھ جائیں، تمہارا ان سے کوئی سروکار نہیں - وہ تم میں سے نہیں ہیں - وہ تمہاری امت سے خارج ہیں - ان کا دین کوئی اور ہے - ان سے تمہیں کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہئیے - یہ خدا کا عذاب ہے ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاء ھم البینت اولئک لھم عذاب عظیم (۳/۱۰۴) دیکھنا! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے فرقہ بندی پیدا کرلی اور کھلی کھلی تعلیم آجانے کے بعد باہمی اختلاف کیا - یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے سخت عذاب ہے - یہ ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلینا ہے - اکفرتم بعد ایمانکم (۳/۱۰۵) ان سے پوچھا جائیگا کہ کیا تم نے ایمان لانے کے بعد پھر کفر اختیار کرلیا تھا؟

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ

۱ تنہا انسانی عقل زندگی کے مسائل کا حل دریافت کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے انسانی رہنمائی کے لئے اس طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔

۲ یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے [illegible]

۳ عقل اور علم کا معیار قرآن ہے۔ جو بات قرآن کے خلاف ہو [illegible]

۴ حضور نبی اکرم [illegible]

۵ قرآن کی رو سے دنیا میں [illegible] قیام کی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔

۶ اس عالمگیر نظام [illegible] تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں [illegible] قوانین خود مرتب کریں [illegible]

۷ اس نظام کو [illegible]

۸ ربوبیت عالمین کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے [illegible]

ہمارا مقصد یہ ہے کہ

پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظام ربوبیت نافذ ہو جائے [illegible]

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک و مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ اندیشہ ہائے دور و دراز ★ عدالت کا فیصلہ ★ مودودی صاحب کی خدمت میں ★ حکومت وضاحت کرے ★ قومی گیت
★ مسئلہ کشمیر ★ آزاد عراق ★ تاریخی شواہد ★ اسلام کی سرگزشت ★ مجلس اقبال ★ عورت کا قرآن
★ طاہرہ کے نام ★ [illegible] ★ [illegible] ★ ...الاقوامی حالات ★ بزم طلوع اسلام

تازہ پیشکش

✡ اقبال اور قران

علامہ اقبال کے قرانی پیغام کے متعلق

محترم پرویز صاحب

کے دلکش مضامین اور انقلاب آفریں تقاریر کا مجموعہ ۔

اقبال کے سمجھنے کے لئے

اس سے بہتر کتاب آپکو بمشکل مل سکیگی ۔

ضخامت اڑھائی سو صفحات سے زیادہ ۔

قیمت ڈسٹ کور کے ساتھ صرف دو روپے علاوہ محصول ڈاک ۔

جن حضرات کی پیشگی رقم جمع ہے انہیں کتاب از خود بھیجدی جائیگی ۔

اگر وہ کتاب نہ لینا چاہیں تو اسکی بابت جلد اطلاع دیں ۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳ - کراچی - ۳

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوع اسلام

جلد ۸ | ۱۴ مئی ۱۹۵۵ء | نمبر ۱۵

اندیشہ ہائے دور و دراز

تو مپندار کہ ایں قصہ بخود می گویم
گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

پچھلے دنوں سے پاکستان جس آئینی خلفشار کی آماجگاہ بن رہا ہے اس کے متعدد پہلو ہیں۔ ان میں سے بیشتر پہلو تو ایسے ہیں جن کے متعلق اس وقت تک لب کشائی نہیں کی جا سکتی جب تک اس معاملہ کا عدالت عالیہ سے آخری فیصلہ نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس وقت تک اس اہم مسئلہ کے متعلق تفصیلی طور پر کچھ نہیں لکھا حالانکہ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ اس قدر دور رس عواقب کا حامل ہے کہ اسے جذبات اور انفرادی مفاد پرستیوں سے الگ ہٹ کر خالص حقیقت شناسی اور معاملہ فہمی کے آئینے سے دیکھنا اور سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔ لیکن اس حدیث الم انگیز و ماجرائے جگر خراش کا ایک گوشہ ایسا ہے جس کے متعلق بلا توقف کچھ کہا جا سکتا ہے اور یہی وہ گوشہ ہے جو صحبت امروزہ کا موضوع سخن ہے۔

پہلے چند الفاظ میں یہ دیکھئے کہ اس آئینی خلفشار اور قانونی بحران کی اصل بنیاد کیا ہے۔ ہوا یہ کہ ایک قانونی الجھن کی عقدہ کشائی کے ضمن میں فیڈرل کورٹ نے اس حقیقت کو بے نقاب کیا کہ پاکستان کی مجلس آئین ساز نے جس قدر قوانین پاس کئے تھے، آئینی تقاضوں کی رو سے اُن کے لئے گورنر جنرل کی تصویب کی ضرورت تھی۔ چونکہ ان قوانین کو گورنر جنرل کی تصویب حاصل نہیں ہوئی اس لئے وہ قوانین ملک کے قوانین ہی نہیں تھے۔ اس کا عملی مفہوم یہ ہوا کہ گذشتہ سات آٹھ سال میں ملک میں جس قدر قوانین نافذ ہوئے، اس ٹکنیکل سقم کی وجہ سے وہ، آئینی میزان میں قانون کی حیثیت نہیں رکھتے تھے، لہٰذا اس تمام دوران میں ملک میں بے آئینی اور لاقانونی کا عمل درآمد رہا۔ بادنیٰ تعمق یہ حقیقت سمجھ میں آ جائے گی کہ یہ محض قانون کا ایک اصطلاحی سقم تھا۔ اسے بلا کسی شور و شغب اور ہیجان طوفان کے کس طرح دُور کیا جا سکتا تھا۔ اس کے متعلق ہم اُس وقت لکھیں گے جب اس مسئلہ کے متعدد گوشوں پر مجموعی طور پر تبصرہ کیا جائیگا۔ سر دست صرف اتنا دیکھئے کہ اس سات سال میں، یہ نہیں ہوا کہ ملک میں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی، باضابطہ عدالتیں نہیں تھیں، عدالتوں نے قاعدے اور قانون کے مطابق مقدمات کی سماعت اور ان کے فیصلے نہیں کئے تھے۔ ملزمین کے جرم ثابت نہیں ہوئے تھے۔ انہیں دھاندلی سے سزائیں دی گئی تھیں یا دیگر متنازعہ فیہ امور کے فیصلے یونہی دھینگا مشتی سے کر دیئے گئے تھے۔ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تھی۔ عدالتوں میں قاعدے اور قانون کے مطابق مقدمات پیش ہوتے رہے۔ اصول اور ضابطہ کے مطابق ان کی سماعت ہوتی رہی اور قاعدے اور قانون ہی کے مطابق ان کے فیصلے ہوئے۔ جس کے حق میں ڈگری ہوئی اس نے اس مال کا قانوناً قبضہ لیا جس کے خلاف فیصلہ ہوا، اس نے قانون ہی کی رُو سے اپنے ہاتھ سے اس مال کو دیا۔ جس ملزم کو سزا ہوئی، وہ بھی قاعدے اور ضابطے کے مطابق ہوئی۔ اس نے عدالت ماتحت کے فیصلے کے خلاف اپیل بھی قاعدے اور ضابطہ کے مطابق کی۔ حتیٰ کہ بعض مقدمات کی اپیلیں فیڈرل کورٹ تک بھی گئیں۔ اور وہاں سے ان کے فیصلے بھی ہوئے۔ یہ سب کچھ قاعدے اور قانون کے مطابق ہوا۔ ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ ہر مقدمہ میں فی الحقیقت انصاف ہوا۔ لیکن قانون کی رُو سے جس چیز کو انصاف کہتے ہیں، وہ یقیناً ہوا۔ قانون کی رُو سے انصاف اس کو کہتے ہیں کہ ایک باضابطہ عدالت (یعنی ایسی عدالت جو ملک کے قانون کے مطابق قائم ہوئی ہو) متنازعہ فیہ معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر ان شہادات کی روشنی میں جو اس کے سامنے لائی جائیں، ملک کے مروجہ قانون کے مطابق فیصلہ دیدے۔ اس تمام دوران میں یہاں یہ سب کچھ ہوتا رہا۔

لیکن جونہی فیڈرل کورٹ نے اس قانونی سقم کا سراغ دیا، ملک میں ایک خلفشار پیدا ہو گیا۔ ہر شخص بغل میں عرضیاں دبائے عدالتوں کے دروازوں پر پہنچ گیا تاکہ انہی عدالتوں کے کئے ہوئے سابقہ فیصلے (جن کی اپیلیں بھی مسترد ہو چکی تھیں) الٹوا لئے جائیں۔ چور، بدمعاش، ڈاکو، رہزن، فریب کار مجرم اُٹھے۔ کسی وکیل کو کچھ روپے دیئے اور وہ انہیں جیل خانے سے باہر لے آیا۔ مجرموں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلنے لگے۔ وکیلوں کے وارے نیارے ہو گئے۔ جس نے انکم ٹیکس ادا کیا تھا وہ یہ سوچنے لگا کہ میں اس ٹیکس کی بازیابی کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ جس نے سیلز ٹیکس دیا تھا وہ قانونی مشورے لینے لگا کہ میں اس کی واپسی کا کس طرح دعوےٰ کر سکتا ہوں جس نے رسومات (کسٹم) کی چنگی بھری تھی، وہ قانونی مشیروں کے پاس بھاگا پھرنے لگا کہ حکومت کے خلاف اصل اور ہرجانہ کا دعویٰ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ غرضیکہ ہر چھوٹے اور بڑے نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ میں اس قانونی سقم سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔ غنڈوں اور بدمعاشوں سے لے کر بڑے بڑے مقدسین اور صالحین تک سب اسی رو میں بہہ گئے۔ سارے ملک سے ایک آواز بھی ایسی نہ اٹھی جس میں یہ کہا گیا ہو کہ اگرچہ مجھے اس قانونی سقم سے یہ ذاتی فائدہ ہوتا ہے لیکن چونکہ میرے معاملہ کا فیصلہ ملک کی عدالت کی طرف سے ہو چکا ہے اس لئے میں اس سقم سے فائدہ اٹھانا قرین دیانت نہیں سمجھتا۔

یک نعرۂ مستانہ زجائے نشنیدم
ویراں شود آں شہر کہ میخانہ ندارد

کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتے تھے (یا فی الواقعہ بے گناہ تھے)، انہیں تو یہ حق حاصل تھا کہ اس سقم کا فائدہ اٹھا کر جیلوں سے باہر آ جاتے۔ لیکن اگر آپ جذباتی سطح سے ذرا نیچے جا کر معاملہ پر غور کریں تو یہ حقیقت سمجھ میں آ جائے گی کہ کسی سقم سے فائدہ اٹھا کر، بے گناہ کا جیل خانے سے باہر آ جانا بلندیٔ سیرت کا آئینہ دار نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ اگر عدالت کسی بے گناہ کو سزا دیدے اور وہ رات کو دیکھے کہ جیل خانہ کا دروازہ کھلا رہ گیا ہے، اور پہرہ دار سو رہا ہے، تو کیا اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ چپکے سے جیل سے نکل بھاگے! اور اس کے لئے وجۂ جواز یہ پیش کرے کہ چونکہ میں بے گناہ تھا اس لئے میں جیل میں کیوں بند رہتا۔ اگر کسی شخص کو کسی مستبد بادشاہ نے، بغیر مقدمہ چلائے یونہی جیل میں ٹھونس دیا ہو، اس کی صورت الگ ہوگی۔ لیکن جس ملزم کو عدالت نے مقدمہ کے بعد سزا دی ہو (خواہ وہ بے گناہ ہی کیوں نہ ہو) اس کے لئے کسی سقم سے فائدہ اٹھا کر جیل سے نکل آنا، قانون اور عدالت کی میزان میں کبھی حق بجانب قرار نہیں پا سکتا۔ اس کے لئے صواب کی راہ یہ ہے کہ وہ اپنے اس حق کے لئے آخر تک لڑے کہ اس کے جرم کی دوبارہ تحقیق ہونی چاہیئے اور جب دوبارہ تحقیق

کے بعد وہ بے گناہ ثابت ہو، تو اسے پھر جیل سے باہر آنا چاہیئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قانونی اسقام یا انتظامی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے انسان کا نفس ہمیشہ اسے ابھارتا رہتا ہے۔ لیکن یہی وہ مقام ہے جہاں سیرت و کردار کا حقیقی امتحان ہوتا ہے۔ مثلاً چیزوں کی قیمت سے کنٹرول اُٹھ جانے کے بعد جب دوکاندار دو گنی چوگنی قیمتیں وصول کرنے لگ جاتے ہیں تو ہم انہیں کیوں بُرا کہتے ہیں؟ اس لئے کہ وہ سابقہ قانون کے منسوخ ہو جانے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت ان کا زائد قیمت طلب کرنا ملک کے کسی قانون کے خلاف نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود ان کے اس عمل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ملک کے ان مصرحہ قوانین کے اوپر ایک اور "قانون" بھی ہوتا ہے جو کہیں لکھا نہیں ہوتا لیکن جس کی پابندی تقاضائے دیانت ہوتی ہے۔ اُس وقت یہ دوکاندار چونکہ اس غیر مصرحہ قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں اس لئے معاشرہ میں نفرت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ جس طرح کسی مصرحہ قانون کی عدم موجودگی سے ناجائز فائدہ اٹھانا قابلِ مذمت ہے اسی طرح کسی قانون میں سقم رہ جانے سے فائدہ اٹھانا بھی درخورِ نفریں ہے۔ سیرت کی بلندی، اسقام، اور مراعات سے فائدہ اٹھانا نہیں سکھاتی۔ وہ اپنا حق ثابت کرکے اپنے واجبات کے حصول کی تلقین کرتی ہے۔ یہ ہے وہ اہم نکتہ جس کی وضاحت کے لئے قرآن کریم نے حضرت یوسفؑ کے تذکارِ جلیلہ کو اپنی ابدیت کے دامن میں جگہ دی ہے۔ حضرت یوسفؑ بالکل بے گناہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود انہیں جیل خانے بھیج دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد، فرعون نے ان کی ذہانت و فطانت کو محسوس کرکے اپنا خاص قاصد جیل خانہ میں بھیجا کہ حضرت یوسف کو رہا کرکے دربار میں لے آئے۔ غور کیجئے یہ کوئی قانونی سقم نہیں تھا جس سے فائدہ اٹھانے کا سوال پیدا ہو۔ بادشاہ کا فیصلہ تھا اور اس قسم کے بادشاہ کا فیصلہ جو "انا ربکم الاعلی" کا دعویدار تھا۔ جس کا فیصلہ ملک کی آخری اتھارٹی کا فیصلہ تھا۔ بے گناہ یوسفؑ کے لئے کوئی "امر" مانع نہ تھا کہ وہ قاصد کے ساتھ فوراً جیل سے باہر آجاتے۔ لیکن یہی تو وہ مقام تھا جہاں سیرتِ یوسفیؑ نے چمک کر سامنے آنا تھا۔ قاصد نے انہیں آکر رہائی اور تقربِ خسروانہ کا مژدۂ جاں فزا سنایا لیکن آپ کو معلوم ہے کہ حضرت یوسفؑ نے کیا کیا؟ کیا وہ جھٹ سے اٹھ کر قاصد کے ساتھ ہو لئے؟ نہیں۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ قال ارجع الی ربک فسئلہ مابال النسوۃ التی قطعن ایدیھن۔ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ میں اس طرح جیل سے باہر نہیں آنا چاہتا۔ تم جاؤ اور بادشاہ سے کہو کہ وہ اس معاملہ کی دوبارہ تحقیق کرائے جس میں مجھے مجرم قرار دے کر سزا دی گئی تھی۔ "میں اس وقت جیل سے باہر آؤں گا جب میں اس مقدمہ میں بے گناہ ثابت ہوں گا۔ چنانچہ اس مقدمہ کا (RE-TRIAL) ہوا اور جب حضرت یوسفؑ کی برأت ثابت ہو گئی تو وہ پھر جیل سے باہر نکلے۔ یہ ہے حسنِ سیرت کا وہ مقامِ بلند جس کا مظاہرہ اربابِ عزیمت سے ہوتا ہے۔ یوسف صدیقؑ سے زیادہ بے گناہ اور فرعون کی حکومت سے زیادہ مستبد حکومت دنیا میں اور کونسی ہو سکتی تھی؟ لیکن عدالت کے (غلط یا صحیح) فیصلہ کے بعد حضرت یوسفؑ نے کسی سقم کا سہارا لے کر جیل سے نکلنا چاہا اور نہ ہی بادشاہ کے نظرِ عنایت کے تصدق۔ انہوں نے چاہا تو یہ کہ وہی عدالت جس نے انہیں مجرم قرار دیا تھا، ان کے مقدمے کی از سرِ نو تحقیق کرے اور اس کے بعد جب ان کی برأت قانوناً ثابت ہو جائے تو پھر بطورِ استحقاق جیل سے باہر آئیں۔ یہ ہے وہ سیرت جس کا مطالبہ قرآن ہر اس شخص سے کرتا ہے جو دنیا میں صداقت اور عدالت سے متمسک ہونے کا دعویدار ہو۔

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ پاکستان میں (اس قانونی سقم کے سلسلے میں) جس سیرت و کردار کا مظاہرہ ہوا ہے وہ کس صورتِ حال کا آئینہ دار ہے؟ اس سے یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آجاتی ہے کہ یہاں سیرت و کردار کا کس قدر فقدان ہے اور لوگ کس طرح ذرا ذرا سے اسقام سے فائدہ اٹھانے کے لئے مضطرب و بے قرار رہتے ہیں۔ یہ حقیقت، مملکت کے لئے ایک بہت بڑے خطرے کی غمازی کرتی ہے۔ اگر کل کو (خدانخواستہ) ملک کسی ایسے حادثہ سے دوچار ہو جائے (مثلاً کسی سے جنگ چھڑ جائے) جس میں (جیسا کہ عام طور پر جنگ کے زمانہ میں ہوتا ہے) انتظامی مشینری کی گرفت ذرا ڈھیلی پڑ جائے، تو معلوم یہاں کے لوگ اپنے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر کیا کچھ نہ کر جائیں۔ ان "برادرانِ یوسفؑ" سے کچھ عجب نہیں کہ چند دراہم کاسدہ کے لالچ میں، یوسف جیسی متاعِ گراں بہا کو غیروں کے ہاتھ فروخت کرنے میں بھی دریغ نہ کریں۔ گزشتہ دنوں کے واقعات فی الحقیقت ہمارے قومی کردار کا ایسا بھیانک نقشہ پیش کرتے ہیں جس سے ہر قلبِ حساس، اندیشہ ہائے دور و دراز سے لرزاں، اور ہر دیدۂ اعتبار، مستقبل کے تصور سے خوں نابہ فشاں ہو جاتی ہے، اللہ ہمارے حال پر رحم کرے۔

توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری

اس میں شبہ نہیں کہ انسانی نظام کی آخری منزل وہی ہوتی ہے جس میں پوری کی پوری انسانیت ایک سطحِ بلند پر پہنچ کر اپنے معاملات کو صحیح بصیرت کی روشنی میں حل کرتی جائے گی۔ لیکن جب انسان اپنے بچپن میں ہے اس کی تاریخ میں فرد کو وہی اہمیت حاصل ہے، جو ایک خاندان میں بزرگ خاندان کو ہوتی ہے جب کسی قوم پر منحوس دن آتے ہیں، اگر اس وقت اس میں ایک فرد بھی ایسا ہو جو اپنی نگہ بلند، کشادگیٔ سینہ، حرارتِ قلب، زورِ بازو اور عزمِ راسخ سے نکبت و نحوست کے امڈتے ہوئے سیلاب کو تھام لے، تو اس قوم کی کشتی اس طوفانِ بلا سے صحیح و سلامت ساحلِ مراد تک جا پہنچتی ہے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ ایک قوم کی زندگی میں فرد کیا کام کر جاتا ہے، ہمیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ خود ہماری تاریخ کے گزشتہ چند سال اس کی زندہ و تابندہ شہادات بہم پہنچانے کے لئے کافی ہیں۔ جب ہماری قوم کی حالت یہ تھی کہ وہ ایک راہ گم کردہ کارواں کی طرح، آوارۂ غربت تھی، اور ہر ایک سے پوچھتی تھی کہ جاؤں کدھر کو میں۔ عین اس وقت اس قوم سے ایک مردِ مومن اٹھا اور اس نے اپنی بصیرتِ قرآنی سے ایک ایسی منزل کا نشان دیا جو روشنی کے بلند مینار کی طرح جگمگا رہی تھی۔ وہ حکیم الامت اس منزل کا سراغ دے کر چلا گیا، تو ملت کو ایک ایسا رہبرِ فرزانہ مل گیا جس نے اپنی خداداد ذہانت اور قابلِ رشک دیانت کو اس مقصد کے حصول کے لئے وقف کر دیا اور اپنی صحیح رہنمائی سے جیدۂ عالم پر اس حقیقت کو ثبت کر دیا کہ وہ فی الواقعہ اس آوارۂ منزل قوم کا قائدِ اعظم ہے۔ قائدِ اعظم کی تشریف براری کے بعد، بدقسمتی سے اس قوم کی تقدیر سازی کا کام انسانوں کے اس انبوہ کے سپرد ہوا جسے قانون کی اصطلاح میں "مجلسِ دستور ساز" کے نام سے پکارا گیا۔ اس گروہ نے کامل سات سال تک قوم کو جس بُری طرح سے رُلایا ہے، دنیائے بدبختی و حرماں سیاہ پوشی میں شاید ہی اس کی مثال کہیں اور مل سکے۔ لیکن عین اس وقت جب ہجومِ ناامیدی سے قوم کے حساس طبقہ کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ ان کے ہاتھ سے دامانِ خیال یار تک چھوٹا جا رہا تھا "سبدار فیض کی کرم گستری" سے اس فنا آمادہ قوم میں پھر ایک فرد برسرِ اقتدار آگیا۔ اس نے اپنے آہنی عزم سے پہلے ناظم الدین وزارت کے کابوس کو سینۂ ملت سے اتارا۔ اور اس کے بعد اس نام نہاد مجلسِ آئین سازی کی اکاس بیل کو جڑ سے اکھیڑا تاکہ شجرِ ملت کے سرسبز و شاداب ہونے کی صورت پیدا ہو جائے۔

ناخدائے کشتیٔ ملت، محترم غلام محمد کی اس بروقت دستگیری پر قوم جس قدر بھی شکر گزار ہوتی کم تھی لیکن مفاد پرستوں کا وہ گروہ جس کے سامنے اپنے اغراض و مقاصد کے سوا کچھ نہ تھا، اس پر بھڑ اٹھا اور اس نے ملک میں اس قسم کی پیچیدگیاں پیدا کرنی شروع کر دیں جن سے بہبودِ ملت کی گاڑی ایک قدم بھی آگے نہ چل سکے رفتہ رفتہ ان پیچیدگیوں نے ایسی نازک صورت اختیار کر لی کہ جن قلوب میں پاکستان کی بقا اور بہبود کا ذرا سا بھی خیال تھا، ان پر راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام ہو گیا۔ اِدھر ان قلوب کی یہ حالت تھی اور دوسری طرف، وہ تمام گروہ جن کے سینے میں پاکستان کا بغض و عناد آتشِ خاموش کی طرح سلگ رہا تھا، بھوتوں کا ناچ ناچ رہے تھے۔ بارے الحمد کہ آج (دس مئی، بعد دوپہر، جبکہ طلوعِ اسلام کی آخری کاپی پریس میں جا رہی تھی) یہ مسرت انگیز و بہجت آمیز خبر سنی کہ عدالتِ عالیہ نے گورنر جنرل کے اقدام کو حق بجانب قرار دیدیا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی ہمارا سرِ نیاز اس خدائے عزیز و حکیم کی بارگاہِ صمدیت میں سجدے کے لئے جھک گیا جس نے اپنی کرم گستری سے مملکتِ پاکستان کو ایک ایسے خطرہ سے بچا لیا جس کی عواقب کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ دن پاکستان کی تاریخ میں ہزار شادمانیوں کا دن اور یہ ساعت، ملتِ اسلامیہ کی زندگی میں کروڑوں خوش بختیوں کی ساعت ہے۔

بیا ساقی نوائے مرغ زار از شاخسار آمد
بہار آمد، نگار آمد، نگار آمد قرار آمد
بہ مشتاقاں حدیث خواجۂ بدر و حنین آور
تصرفہائے پنہانش بچشمم آشکار آمد
اگر شاخ خلیل از خون ما نمناک می گردد
ببازار محبت نقد ما، کامل عیار آمد
بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم

اے پیکر عزم و بسالت کہ دنیا تجھے غلام محمد کہتی ہے! ہم ملت شریفۂ پاکستانیہ کی طرف سے، ادب و احترام سے جھکی ہوئی آنکھوں، لرزتے ہوئے ہونٹوں اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ہزار عقیدت و صد ہزار سپاس گزاری کے گلہائے تازہ تیری خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ یقین مانئے کہ فرط جذبات سے اس وقت ہمارے دل کی یہ حالت ہے کہ

آبگینہ تندیٔ صہبا سے پگھلا جائے ہے

یہ وفور جذبات اس احساس عمیق کی وجہ سے ہے کہ اس وقت پاکستان کتنے بڑے مہیب خطرہ سے بچ گیا۔ اور آپ نے اپنی مسلسل علالت اور پیہم پریشانیوں کے باوجود یہ ثابت کر دیا کہ

ہے ننگ سینۂ دل اگر آتشکدہ نہ ہو
ہے عار دل نفس اگر آذر فشاں نہیں

اللہ کی ہزار نصرتیں آپ کے ساتھ ہوں! دربارگاہ ایزدی سے آپ کو یہ توفیق ارزانی ہو کہ آپ اس نوزائیدہ مملکت کے سفینۂ برگ گل کو ساحل مراد تک پہنچا کر دم لیں۔

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است

اب جبکہ قدرت کی طرف سے آپ کو موقعہ مل گیا ہے کہ آپ پاکستان کی تقدیر کو ایک خاص قالب میں ڈھال سکیں، ہمارا پر خلوص مشورہ ہے، کہ آپ گذشتہ تجارب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بات کا خاص طور پہ خیال رکھیں کہ مجلس آئین ساز میں صرف ایسے افراد آنے پائیں جن کے سینے میں اسلام اور ملت کا درد، جن کی نگاہوں میں قرآن کی بصیرت، جن کی فکر بساط عالم سے آشنا اور جن کی خرد عقدہ کشائی ملت کی اہل ہو۔

قرآن نے استخلاف و استبدال قومی کے سلسلہ میں کہا ہے کہ ایک برباد شدہ قوم کی جانشین قوم اسی صورت میں زندہ رہ سکتی ہے کہ وہ اپنی پیش رفتہ قوم کی طرح نہ ہو وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم اس لئے اس نئی مجلس دستور ساز کے متعلق اچھی طرح دیکھ لینا چاہئیے کہ وہ اپنی پیش رفتہ اسمبلی کی طرح نہ ہو۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ یہ تخریب پسند گروہ جس نے کہیں سیاست اور کہیں مذہب کے نقاب میں اس وقت تک پاکستان کو نگنی کا ناچ نچا رکھا ہے۔ آشیانۂ ملت کو اس کی دستبرد سے بچانے کی فکر کیجئے۔ یہ اپنے آپ کو مصلحین کہتے ہیں لیکن قرآن کا ارشاد ہے کہ الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون۔ یخٰدعون اللہ والذین اٰمنوا وما یخدعون الا انفسھم۔ ملک میں تمام خطرات کی جڑ یہی گروہ ہے جو عوام کی سادہ لوحی کی وجہ سے قائدین کا گروہ بنے پھرتا ہے، حالانکہ انہیں علم تک بھی نہیں کہ جہانبانی و جہاں رانی کہتے کسے ہیں۔

خدا جانے یہ کس نے کہدیا ہے کم سوادوں سے
کہ جو تیشہ اٹھا لیتا ہے وہ فرہاد ہوتا ہے

اور آخر میں ہماری درخواست یہ ہے کہ آپ اس گروہ زاغ و زغن کے شور و شین سے بالکل نہ گھبرائیں اور نہایت عزم راسخ سے خدا کی راہ نمائی کی روشنی میں، اپنے فیصلوں کو بروئے کار لائے جائیں۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے سردست ہم انہی گزارشات پر اکتفا کرتے ہیں۔ باقی رفتہ رفتہ پھر عرض خدمت کرتے رہیں گے

لخت دل پر خونے از دیدہ فرو ریزم
لعلے ز بدخشان بردار و بجانم زن

سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کی خدمت میں

اب جبکہ آپ جیل سے باہر تشریف لے آئے ہیں، ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ کی توجہ ایک اہم بات کی طرف مبذول کرائی جائے۔ آپ کی جماعت نے مدت سے یہ وطیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ موقعہ بے موقعہ، ہر جگہ، ہر طریق سے طلوع اسلام کو بدنام کیا جائے ہمیں اس حقیقت کے اعتراف و اعلان میں کوئی باک نہیں کہ طلوع اسلام آپ کے تصورات اور آپ کی جماعت کے مسلک و عزائم کو اسلام اور پاکستان دونوں کے لئے سخت خطرے کا موجب سمجھتا ہے اس لئے وہ ان تصورات و مقاصد کی مخالفت اپنا ملی اور دینی فریضہ قرار دیتا ہے۔ اس اعتبار سے آپ کی جماعت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مدافعت میں جو مناسب سمجھیں کہیں اور کریں۔ لیکن مخالفت کا یہ انداز تو کسی شریف معاشرہ میں بھی در خور تحسین نہیں سمجھا جائے گا کہ اپنے مخالف کے خلاف غلط الزامات لگائے جائیں۔ بہتان تراشے جائیں اور بے بنیاد اتہامات سے اسے بدنام کیا جائے۔ ہمیں افسوس ہے کہ آپ کی جماعت نے طلوع اسلام کی مخالفت میں بڑی شدت سے یہ روش اختیار کر رکھی ہے اور یہ خیال عام کر رکھا ہے کہ ایسا کرنا دین کی بہت بڑی خدمت ہے۔ ان اتہامات کی فہرست میں اب کچھ عرصہ سے ایک نئی تہمت کا اضافہ ہوا ہے اور وہ ہے "سُنّتِ رسول اللہ" کی توہین۔ یہ بہتان تراشا گیا ہے اس طلوع اسلام کے خلاف جس کی زندگی کا ایک ایک سانس اس ذات اقدس و اعظم کی عظمت و برگزیدگی کی بلندی کے لئے وقف ہے جو شرف و مجد انسانیت کے افق اعلیٰ پر فائز المرام ہے۔ بہر حال، طلوع اسلام نے، حقیقت کو واشگاف کرنے کے لئے

(۱) ایک مقالہ لکھا جس میں سُنّت رسول اللہ ؐ کے متعلق اپنے مسلک کی وضاحت کی۔ اور

(۲) آپ کی تحریروں پر مشتمل ایک مضمون مرتب کیا جس میں بتایا کہ حدیث اور سُنّت کے متعلق آپ بھی وہی کچھ کہتے ہیں جو طلوع اسلام کہتا ہے۔

اور انہیں طلوع اسلام کی ۲ اپریل ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں شائع کرکے، جماعت اسلامی کے ذمہ دار حضرات سے بالخصوص درخواست کی کہ وہ ہمیں بتائیں کہ ہماری غلطی کہاں ہے تاکہ ہم اپنی اصلاح کر سکیں۔ اس کے متعلق ہم نے محترم امین احسن صاحب اصلاحی اور نعیم صدیقی صاحب کی خدمت میں نجی خطوط بھی لکھے اور پھر طلوع اسلام میں کئی مرتبہ یاد دہانی بھی کرائی۔ لیکن ان حضرات (یا جماعت اسلامی میں سے کسی دوسرے صاحب) کی طرف سے اس کے متعلق ہمیں کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ مگر ہمارے خلاف سب و شتم کا سلسلہ ہے کہ بدستور جاری ہے بلکہ تیز تر ہوتا جا رہا ہے۔

ہم آپ کی خدمت میں گذارش کریں گے کہ آپ براہ کرم ہمارے اس مقالہ اور مضمون کا مطالعہ فرمائیں، اور ہمیں مطلع فرمائیں کہ

(۱) اس مضمون میں ہم نے آپ کی جو تحریریں نقل کی ہیں ان میں کسی قسم کی تحریف تو نہیں کی گئی اور ایسا تو نہیں ہوا کہ انہیں اس طرح مربوط صورت میں شائع کرنے سے ان کا مطلب بدل گیا ہو

(۲) سنت رسول اللہ کے متعلق ہم نے اپنا جو مسلک بیان کیا ہے، وہ آپ کے نزدیک درست ہے یا نہیں۔ اگر درست نہیں تو اس میں کیا غلطی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی گزارش کریں گے کہ آپ اپنے کسی ایسے مضمون کی نشان دہی کر دیں جس میں ایک ہی جگہ حدیث اور سُنّت کے متعلق آپ کا مسلک واضح اور مکمل طور پہ بیان ہوا ہو۔ اگر کوئی ایسا مضمون نہ ہو، تو ہم درخواست کریں گے کہ آپ اس قسم کا کوئی جامع مضمون اب تحریر فرما دیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس باب میں آپ کی پوزیشن کیا ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اس موضوع پر آپ کی تحریروں میں اس قدر متضاد باتیں ملتی ہیں کہ آپ کی جماعت ہر موقعہ پر ایک نئی بات آپ کی طرف سے پیش کر دیتی ہے۔

چونکہ اسلامی نظام (دین) میں سنت ایک اہم مقام رکھتی ہے اس لئے ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری مندرجہ بالا درخواست کو شرف پذیرائی عطا فرمائیں گے۔

مسئلہ کشمیر

وزیر اعظم محمد علی اور وزیر اعظم نہرو کی ملاقات کے چرچے مہینوں سے ہو رہے تھے، اور بار بار کے التوا کے بعد اس کی تاریخ انعقاد بالآخر ۱۴ مئی کو طے پائی۔ لیکن جوں جوں یہ تاریخ قریب آتی جاتی ہے، طرح طرح کی افواہیں اڑ رہی ہیں۔ ایک طرف یہ افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں کہ یہ ملاقات پھر ملتوی ہو جائے گی اور دوسری طرف یہ کہا جا رہا ہے کہ دونوں وزرائے اعظم کشمیر میں موجودہ خط متارکہ کی بنا پر سمجھوتہ کر لیں گے اور اس کے صلے میں پنڈت نہرو دیگر تنازعات میں پاکستان کو بھاری

رعایتیں دب گئے۔ ان افواہوں کی نوعیت سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ انہیں نئی دہلی سے پھیلایا جا رہا ہے اور اس کا مقصد تقسیم کشمیر کے حق میں رائے تیار کرنا ہے۔ نیز پاکستان کو ایک طرف یہ چکمہ دینا ہے کہ اس کی کسر دوسرے معاملات میں نکال دی جائے گی۔ اور دوسری طرف یہ دھمکی کہ اگر وہ اس پر رضامند ہوا تو بڑی آسانی سے مذاکرات ملتوی کئے جاسکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ التوا کا نتیجہ یہی ہوگا کہ کشمیر بدستور ہندوستان کے قبضے میں رہے گا۔

ان افواہوں کو لندن سے اور زیادہ اچھالا گیا ہے۔ انہی دنوں لندن ٹائمز نے اپنے نامہ نگار متعینہ نئی دہلی کی وساطت سے خصوصیت سے اس خبر کو چار دانگ عالم میں پھیلایا۔ برطانیہ کی پالیسی شروع سے ہی نمایاں طور پر ہندوستان کے حق میں رہی ہے اور اس نے علانیہ پاکستانی مفاد کو صدمہ پہنچایا ہے۔ لہٰذا یہ بھانپنا مشکل نہیں کہ وہ کیوں ہندوستانی مطالبات کا بالواسطہ مؤید ہے۔ لیکن انگریز کے مصالح اس ضمن میں کچھ بھی ہوں، پاکستان کا موقف بالکل واضح ہے۔ کشمیر کو ہندوستان کے چنگل سے نکلوانا ہمارا ملی فریضہ ہے۔ وہاں کے چالیس لاکھ مظلوم مسلمان آزادی کا اتنا ہی حق رکھتے ہیں، جتنا ہندوستان کے کروڑوں ہندو۔ ہندوستان کا کشمیر پر قبضہ دھاندلی سے زیادہ کچھ نہیں اور وہ اس پر مصر اس لئے ہے کہ وہ جانتا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ پاکستان کے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اور وہ کشمیر پر قابض رہ کر پاکستان کی شہ رگ پر قابض رہے گا اور اہل پاکستان کا جینا اور مرنا اس کے رحم وکرم پر ہوگا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہماری قیادت نے اس نقطہ کو کما حقہ نہیں سمجھا اور وہ سات سال تک ہندوستان کی بے جا خوشامد میں مصروف رہی۔ اسے ہندوستان نے بجا طور پر ہماری کمزوری پر محمول کیا اور خوب فائدہ اٹھایا۔ اب بھی ہندوستان کے رویہ میں بظاہر کسی تبدیلی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اگر اس مسئلہ میں باہمی مفاہمت نہ ہو تو اس کا فائدہ ہندوستان کو پہنچتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے ارباب حکومت اب بھی آنکھیں کھولیں گے یا نہیں؟ کشمیر جیسا مسئلہ جس پر پاکستان کی بقا کا دارو مدار ہے برسوں تک معلق نہیں رکھا جاسکتا۔ اب وقت ہے کہ ہندوستان کو واضح طور پر جتا دیا جائے کہ اگر وہ بین الاقوامی معاہدہ کی رو سے استصواب کے لئے تیار نہیں تو ہم براہ راست مذاکرات کا ڈھونگ ختم کردیں گے، اور کشمیر کو آزاد کرانے کے متبادل ومناسب ذرائع پر عمل کریں گے۔

اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارے سامنے پُرامن راہ تو یہ ہے کہ معاملہ پھر سے اقوام متحدہ کے سامنے لے جائیں اور اسے مجبور کریں کہ وہ ہندوستان سے استصواب کی تجویز پر عمل کرائے۔ اگر وہ لیت ولعل سے کام لے تو پرامن ذرائع ختم ہوجائیں گے اور صرف ایک ہی صورت باقی رہ جائیگی اور وہ ہوگی جنگ کی۔ ہم جنگ کے حق میں نہیں اور ہمیں خوشی ہوگی کہ نوبت یہاں تک نہ پہنچے۔ لیکن قوموں کی زندگی میں ایسے لمحات آجاتے ہیں جب حق کی حفاظت کے لئے جان تک بھی قربان کردینی پڑتی ہے۔ اس وقت زندگی "اندیشۂ سود و زیاں" سے برتر ہوجاتی ہے اور "جان" کے بجائے "تسلیم جان" ہی اصل حیات بن جاتی ہے۔

قومی گیت

ہم نے ۱۲ مارچ کی اشاعت میں حکومت پاکستان کو مشورہ دیا تھا کہ بعد کی بدمزگیوں اور خرابیوں سے بچنے کے لئے مناسب یہی ہے کہ جو قومی گیت موصول ہوئے ہیں، انہیں شائع کردیا جائے تاکہ قوم انہیں بروقت جانچ سکے اور حکومت کو فیصلے میں مشورہ اور مدد دے سکے۔ ہمیں افسوس ہے کہ حکومت نے اس مخلصانہ مشورے پر کوئی توجہ نہیں دی۔ چنانچہ موصول شدہ قومی گیت شائع کرنا تو درکنار آج تک یہ بھی روا نہیں رکھا گیا، کہ بتا دیا جائے کہ کتنے گیت موصول ہوئے، اور وہ کس کس زبان میں ہیں، ان کے لکھنے والے کون ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس سلسلہ میں جو خبریں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی ہیں، وہ پریشان کن ہوتی ہیں۔ مثلاً معاصر "ٹائمز آف کراچی" کی روایت ہے کہ حکومت کو مختلف زبانوں میں کوئی ڈھائی سو گیت موصول ہوئے (پہلے خبر ایک سو کی تھی) ان میں سے وزارت اطلاعات نے صرف نو کو منتخب کرکے کابینہ کے پاس بھیجا ہے۔ ایک "سابق سفیر" کے متعلق کہا گیا ہے کہ انہوں نے بھی ایک گیت مقابلے میں بھیجا ہے۔ حالانکہ انہیں اعتراف ہے کہ ساری عمر انہیں موسیقی سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ ایسی خبریں طرح طرح کی غلط فہمیوں کا موجب ہوجاتی ہیں اور ہم حیران ہیں کہ حکومت کیوں صحیح اطلاع دینے سے احتراز کررہی ہے۔ یہ مسئلہ قوم سے متعلق ہے اور اسے قومی سطح پر قومی استصواب سے فیصل کرنا چاہیئے۔ یہ معاملات رازداری کے نہیں ہوتے۔ رازداری کا نتیجہ دیگر شعبوں کے علاوہ قومی ترانے کے سلسلہ میں جس حد تک گھناؤنا ثابت ہوچکا ہے اسے فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔

اسی ضمن میں ایک جگر خراش حقیقت اور بھی ہے جسے اگر سامنے رکھ لیا جائے تو شاید ہم بہت سی تباہیوں سے بچ جائیں۔ اقبالؒ نے کہا تھا کہ تاریخ امم یہ ہوتی ہے کہ "شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر"۔ ہم خوش تھے کہ ہم میں شمشیر وسناں نہیں رہی تو نہ سہی، طاؤس ورباب تو ہے! لیکن پردہ اٹھ جانے کے بعد جو منظر دکھائی دیا اس میں نظر آیا کہ ہم میں "طاؤس ورباب" بھی باقی نہیں رہا۔ اس "طاؤس ورباب" کی سب سے بڑی مظہر ہماری شاعری ہوسکتی تھی۔ جہاں تک شاعروں کی تعداد کا تعلق ہے وہ ٹڈی دل سے کم نہیں۔ لیکن پاکستان کی سات سالہ زندگی میں جب ایک موقع پر شاعری سے کام لینے کا وقت آیا تو اس کی "قامت کی درازی کا سارا بھرم کھل گیا"۔ ساری قوم کے شاعر ایک نہیں، برسوں ٹکریں مارتے رہے اور ان سے ایک قومی ترانہ نہ بن پایا۔ جو ترانہ حکومت نے منتخب کیا، اس کی بابت خود حکومت نے بعد میں کہہ دیا کہ وہ قومی ترانہ تو بن سکا ہے لیکن قومی گیت نہیں بن سکا۔ "قومی ترانہ" اور "قومی گیت" کا یہ فرق تاریخ کے سامنے شاید پہلی مرتبہ آیا ہو؟ اب "قومی گیت" کے لئے اڑھائی سو شعرائے کرام نے طبع آزمائی کی ہے اور ان میں سے صرف نو اس قابل سمجھے گئے ہیں کہ انہیں کابینہ کے حضور پیش کیا جاسکے۔ ان نو میں سے جو گیت آخرکار منظور ہوگا اس کی بابت شاید دو چار ماہ کے بعد کہہ دیا جائے گا کہ وہ قومی گیت تو بن سکا ہے، قومی نغمہ نہیں بن سکا۔

یہ ہے ہمارے "طاؤس ورباب کی حیثیت"! قرآن نے جو کہا ہے کہ جہنم میں زندگی تو ایک طرف، موت بھی نہیں آیا کرتی، تو اس کا یہی مطلب ہے کہ غلاموں کو جینا تو ایک طرف، مرنا بھی نہیں آیا کرتا۔

حکومت وضاحت کرے

جہاں تک اخباری اطلاعات کا تعلق ہے حکومت پاکستان نے یہ اعلان کیا تھا کہ پنجاب کے مارشل لا کے اسیروں کے کاغذات فیڈرل کورٹ کے ایک جج کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور ان کے فیصلے کے مطابق ان کی سزاؤں میں ردوبدل کردیا جائے گا۔ پھر یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اس طریق کے مطابق مولانا مودودی صاحب کی میعاد قید کم کردی گئی ہے۔ اب جو مولانا صاحب ضمانت پر رہا ہوکر باہر آئے ہیں تو اسلامی جماعت کا ترجمان، روزنامہ تسنیم، لاہور، ان کو خوش آمدید کہتے ہوئے لکھتا ہے:

"ہم آج تک تمام اسیران مارشل لا کی نظربندی کو ایک ظلم سمجھتے رہے ہیں اور ہمارا مطالبہ رہا ہے کہ ان لوگوں کو فوراً رہا کیا جائے۔ بدقسمتی سے اس ملک کے حکمرانوں نے آج تک نہ اس معقول مطالبے کو تسلیم کیا اور نہ عوام کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کا جواب دیا۔ بلکہ خود ہی ان لوگوں کی طرف سے کچھ کاغذات تیار کرکے فیڈرل کورٹ کے ایک جج کے نام سے ان میں سے بعض کی سزاؤں میں ردوبدل کردیا۔ اور اس طرح ان لوگوں کو جیل میں رہنے پر مجبور کیا۔"

"تسنیم" کے اس بیان کے مطابق۔ پوزیشن یوں ہوئی کہ حکومت نے کورٹ کے کسی جج سے مشورہ یا فیصلہ لینے کی بجائے خود ہی متعلقہ اسیروں کے کاغذات تیار کئے اور فیڈرل کورٹ کے ایک جج کے نام سے بعض کی سزاؤں میں ردوبدل کردیا۔ اگر حکومت نے واقعی ایسا کیا تھا تو یہ نہ صرف اس کی اعلان کردہ پالیسی ہی کے خلاف تھا بلکہ اصولاً بھی سخت قابل اعتراض تھا اس لئے کہ حکومت کا خود ہی کوئی فیصلہ کرلینا اور اُسے فیڈرل کورٹ کے کسی جج کے نام سے مشہور کردینا، کسی طرح بھی جائز نہیں قرار دیا جاسکتا!

ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس کی وضاحت کرے۔

اسلامی معاشرت
صفحات ۱۹۲
قیمت دو روپے

تاریخی شواہد

(۱۴)

جیساکہ سابقہ عنوان میں لکھا جاچکا ہے۔ تورات کی رُو سے اقوامِ عالم کی تقسیم حضرت نوح کے تین بیٹوں (یافث۔ حام اور سام) کی نسل کے اعتبار سے کی جاتی ہے۔ تورات کی اس تقسیم کی تاریخی حیثیت کچھ ہی ہو لیکن تحقیقاتِ جدیدہ اس نتیجہ تک ضرور پہنچ چکی ہیں کہ عرب اور اس کے گردوپیش (مصر۔ شام۔ عراق وغیرہ میں) امم سامیہ پھیلی ہوئی تھیں۔ ان میں سب سے اہم اور مقتدر قبیلہ عاد کا تھا۔ قبیلہ کیا! یہ تو ایک عظیم الشان قوم تھی جو ایک طرف حضرموت اور یمن کے علاقے سے شروع ہو کر خلیج فارس کے ساتھ ساتھ عراق تک جا پہنچی تھی اور دوسری طرف عرب سے نکل کر مصر و شام پر حکمران تھی۔ قریب دو اڑھائی ہزار سال (ق۔م) ان تمام علاقوں پر اسی قوم کا تسلط و اقتدار نظر آتا ہے۔ سام کے بیٹے ارم کی نسبت سے انھیں عادِ ارم بھی کہا جاتا ہے۔ جب دو اڑھائی ہزار سال (ق۔م) اس قوم کا ستارۂ اقبال اوج پر تھا تو اس زمانہ میں قوموں کے عروج و زوال کی رفتار کے اعتبار سے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کی ابتدا کب ہوئی ہوگی؛ یوں سمجھئے کہ قوم نوح کی بربادی کے بعد جب یہ علاقے دوبارہ آباد ہوئے ہیں تو بنی سام کی پہلی ترقی اسی قوم عاد سے ہوئی ہے۔ یہی قوم عاد ہے جس کی طرف حضرت ہودؑ مبعوث ہوئے۔ ان کا مقام بعثت و تبلیغ احقاف کا علاقہ تھا۔ احقاف صحرا کو کہتے ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب کا وہ طویل عریض ریگستان جسے اب ربع خالی کہا جاتا ہے، احقاف کا علاقہ تھا۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں کوہ تمثال ریت کے ٹیلے، خوف و دہشت کے بھیانک عفاریت کی طرح سر اٹھائے کھڑے رہتے ہیں۔ لیکن جب وہاں آندھی کا طوفان آتا ہے تو یہ ٹیلے ایک مقام سے اڑ کر دوسرے مقام پر جا مسلط ہوتے ہیں اور جو کچھ وہاں موجود ہو اسے اس طرح نیچے دبا لیتے ہیں کہ پھر محکمۂ آثارِ قدیمہ والے ہی ان کا سراغ لگائیں تو کچھ پتہ چلے۔ کیا معلوم ان ٹیلوں کے نیچے کتنی آبادیاں، قبرستانوں میں منتقل ہو چکی ہیں۔ کم از کم ایک کا ذکر تو سن لیجئے یہ شوریدہ بخت قوم وہ ہے جس نے حضرت ہودؑ کی دعوت کی تکذیب کی اور پھر جس کے فقط افسانے دنیا میں باقی رہ گئے۔ اِلّا ان کے جو حضرت ہودؑ کے ساتھ بچا لئے گئے اور جو پھر عادِ ثانیہ کہلائے۔ کیونکہ عادِ اولیٰ وہ تھے جنہیں ان کی غلط روشِ زندگی کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیا گیا۔

قرآنِ کریم میں ہے کہ حضرت نوح کی قوم کے بعد قوم عاد کو ان کا جانشین بنایا گیا اور انہیں دنیا میں بڑا اقتدار و تسلط اور وسعت و قوت عطا فرمائی۔

وَاذْكُرُوٓا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِى ٱلْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۖ فَٱذْكُرُوٓا ءَالَآءَ ٱللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۷/۶۹)

تم اس حقیقت کو سامنے لاؤ کہ اس نے کس طرح قوم نوح کے بعد تمہیں ان کا جانشین بنایا اور تمہاری نسل کو زیادہ وسعت و توانائی بخشی۔ پس چاہیئے کہ اللہ کی قدرتوں کی یاد سے غافل نہ ہو۔ تاکہ ہر طرح کامیاب ہو۔

آبپاشی و سیرابی کے لئے قدم قدم پر چشمے اور پھلوں سے لدے ہوئے باغات۔ اولاد اور مواشی کی کثرت یہی کچھ اس زمانہ میں قوت و سطوت کے حصول و استحکام کے ذرائع تھے۔ غرضیکہ ہر شے کی فراوانی حضرت ہودؑ نے انہیں قوانینِ الٰہیہ کی طرف دعوت دیتے ہوئے انہی انعاماتِ خداوندی کی طرف اشارہ کیا تھا

وَٱتَّقُوا ٱلَّذِىٓ أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ ۝ أَمَدَّكُم بِأَنْعَٰمٍ وَبَنِينَ ۝ وَجَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ۝ (۲۶/۱۳۲—۱۳۴)

اور اس خدا کے قوانین کی نگہداشت رکھو جس نے تمھیں وہ چیزیں بکثرت دیں جو تمھیں معلوم ہیں۔ اُس نے تمہیں مواشی اور اولاد بکثرت دی، نہ صرف یہی بلکہ اور باغات اور چشمے بھی بکثرت دیئے!

وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بڑی بڑی عمارات بناتے تھے جو ایک طرف ان کی شوکت و رفعت کی مظاہر تھیں اور دوسری طرف دشمنوں کے خلاف پاسبانی کے مقاصد پورا کرتی تھیں۔

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ ءَايَةً تَعْبَثُونَ ۝ (۲۶/۱۲۸)

(اور دیکھو، اے قوم عاد!) کیا تم ہر بلندی پر ایک نشان بناتے ہو؟ یہ چیزیں تمہیں غلط روشِ زندگی کے نتائج سے محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔

وہ ایسے ایسے محکم قلعے اور سنگین حصار بناتے تھے گویا انہیں اس سرزمین پر ہمیشہ کے لئے حکومت کرنی ہے۔

وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۝ (۲۶/۱۲۹)

(اور اے قوم عاد!) کیا تم مضبوط مضبوط قلعے بناتے ہو، شاید تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہو گے؛

اسی بنا پر قرآن کریم نے انہیں "ستونوں والے" کہا ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ ذَاتِ ٱلْعِمَادِ ۝ ٱلَّتِى لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى ٱلْبِلَٰدِ ۝ (۸۹/۶—۸)

تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا؟ (کون سی قوم عاد!) وہی بڑے بڑے ستونوں والی قوم ارم! جس کے مثل شہروں میں کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی۔

غرضیکہ انہیں ایسا تمکن فی الارض عطا ہوا تھا کہ شاید ہی کسی دوسرے کے حصہ میں آیا ہو اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہ یہ تمام قوت و حشمت، جہالت و بربریت کو لئے ہوئے نہ تھی۔ بلکہ انہیں ذرائع علم (سماعت، بصارت و قلب) بھی عطا ہوئے تھے۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّٰهُمْ فِيمَآ إِن مَّكَّنَّٰكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَٰرًا وَأَفْـِٔدَةً (۴۶/۲۶)

(اور دیکھو) ہم نے انہیں وہ قوت و سطوت بخشی تھی جو ہم نے زمین میں تمہیں بھی نہیں بخشی، اور انہیں (سننے کے لئے) کان (دیکھنے کے لئے) آنکھیں اور (سمجھنے کے لئے) دل (عقل و شعور) عطا کئے تھے۔

قرآن نے سمع و بصر کے الفاظ اس علم کے لئے استعمال کئے ہیں جو مظاہرِ فطرت پر غور و خوض کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یعنی (PERCEPTUAL KNOWLEDGE) جو حواس کے ذریعے، مشاہدات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ سمع و بصر، حواس کے ترجمان ہیں اور ان کے ساتھ تیسرا لفظ افئدہ ہے۔ اس کے معنی (MIND) کے ہیں۔ یعنی مشاہداتِ فطرت سے معلومات حاصل کر لینے کے بعد، قلب اور دماغ کے ذریعے استنباطِ نتائج کرنا۔ اس قسم کا علم تھا جو قوم عاد کو حاصل تھا۔ یہ سب کچھ تھا لیکن اس علم کا ماحصل (دورِ حاضرہ کی اصطلاح میں یوں سمجھئے کہ سائنس کی ایجادات وغیرہ) قانونِ خداوندی کے مطابق صرف نہیں کیا جاتا تھا۔ قوانینِ خداوندی کا تقاضا ہے کہ علم کے ماحصل کو نوعِ انسانی کی ربوبیت کے لئے صرف کیا جائے لیکن جو قومیں غلط روشِ زندگی پر چلتی ہیں وہ ان قوتوں کو باقی انسانوں کی غلامی کا ذریعہ بنا لیتی ہیں اور ان کی محنت کی کمائی کے سلب و نہب (EXPLOITATION) کو اپنی کاریگری قرار دے لیتی ہیں۔ یہی کچھ قوم عاد کرتی تھی چنانچہ قرآن میں ہے کہ ہر مستبد قوم کی طرح، ان کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ جن قوموں پر بھی قابو پا لیتے انہیں آہنی شکنجے میں جکڑ لیا کہ ان کی غلامی کے حبال کا کوئی حلقہ ڈھیلا نہ ہونے پائے۔

وَإِذَا بَطَشْتُم بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ۝ (۲۶/۱۳۰)

اور جب تم لوگوں پر گرفت کرتے ہو تو بڑے با جبروت بن کر گرفت کرتے ہو (کہ کوئی تمہارے چنگل سے نکلنے ہی نہ پائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ ہدایت کے مطابق ان میں رسول بھیجے لیکن نشۂ قوت و حکومت میں پیغاماتِ خداوندی پر کان کون دھرتا ہے؟ انھوں نے متواتر ان رسولوں کی تکذیب کی اور اپنے ظلم و استبداد میں بڑھتے ہی چلے گئے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ ٱلْمُرْسَلِينَ ۝ (۲۶/۱۲۳)

قوم عاد نے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا۔

اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں جزیرۂ عرب کی جغرافیائی پوزیشن اور عربوں کے دیگر ممالک و اقوام کے ساتھ دینی، تجارتی اور ثقافتی تعلقات، سرحدات پر متمدن ملکتوں کا وجود، خود عربوں میں یہودیت و نصرانیت کے فروغ سے بحث کی گئی تھی۔ آج کی فرصت میں عربوں کے متعلق علمائے عمرانیات اور دیگر محققین کی اس تحقیق کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے کہ عقلی اعتبار سے عربوں کا کیا مقام تھا۔ اور ان کی قومی خصوصیات اور امتیازات کیا تھے۔

"یہ لوگ جونہی کسی ملک پر تسلط جما لیتے ہیں تو وہ ملک بہت جلد تباہ و برباد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ وحشی قوم کے افراد ہیں۔ عمارتوں کو توڑ کر پتھر اٹھا کرلے جائیں گے۔ تاکہ ان پتھروں سے چولھے بنا کر اپنی ہانڈیاں ان پر چڑھا سکیں۔ چھتوں کو گرا دیں گے۔ تاکہ انکی لکڑیوں پر اپنے خیمے کھڑے کر سکیں اور ان کو توڑ کر اپنے خیموں کے لئے میخیں اور کھونٹیاں بنا سکیں۔ ان کے ہاں لوٹ مار کی کوئی حد مقرر نہیں۔ جہاں پہونچ کر وہ رک جائیں۔ نہ قوانین و احکام سے کوئی سروکار ہے۔ نہ فسادات سے لوگوں کو باز رکھنے کی طرف کوئی توجہ۔ ان کا سب سے بڑا مقصد لوٹ مار کرکے یا کسی تاوان میں لوگوں کے اموال پر قبضہ کر لینا ہوتا ہے۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد لوگوں کے حالات کی درستگی اور ان کے مصالح پر غور کرنے سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ حکومت کے معاملہ میں یہ ہمیشہ ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کریں گے۔ بہت کم ایسا ہوگا کہ حکومت کے معاملہ میں کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کی اطاعت کر سکے۔ خواہ وہ اس کا باپ، بھائی یا قبیلہ کا سردار ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حکام لامحالہ متعدد ہوتے ہیں۔ رعایا کو احکام دینے اور ٹیکس وصول کرنے میں دن بدن ہاتھوں کی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ تہذیب و تمدن تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ ابتدا سے آفرینش سے کر جن ممالک پر ان کا قبضہ ہوا ہے تم ان کے حالات دیکھ لو کہ کس طرح ان کی تہذیب ختم ہوگئی۔ اور کس طرح ان کے باشندے دانہ دانہ کو محتاج ہو گئے۔ —— یمن کو دیکھ لو —— جو ان کا پایۂ تخت تھا۔ کہ چند شہروں کو چھوڑ کر سارا ہی تباہ ہو چکا ہے، عراق عرب کو دیکھ لو کہ ایران کے ماتحت وہ کس طرح منظم تھا۔ اور ان کے ہاتھوں میں پہونچ کر کس طرح برباد ہو گیا۔ اس زمانہ کے شام کو دیکھ جاؤ۔ اس کا حال بھی کچھ اس سے بہتر نہیں پاؤ گے۔[۱]

اپنی فطری طبیعت کی شدت، مقابلہ، بلند ہمتی اور منافست کی بنا پر بھی یہ لوگ آپس میں بھی ایک دوسرے کے مطیع اور فرمانبردار نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کی خواہشات بہت کم کسی ایک نقطہ پر جمع ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کوئی حکومت قائم نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کی حکومت قائم کرنے کے لئے صرف ایک ہی صورت ہو سکتی تھی کہ نبوت یا ولایت کا دینی رنگ دیا جاتا۔ یا ان میں مجدد دین ہی کا کوئی گہرا اثر پیدا کیا جا سکتا۔[۲]

جو نوآبادیاں یہ لوگ قائم کرتے تھے۔ وہ بھی جلد ہی تباہ و برباد ہو جاتی تھیں۔ کیونکہ نوآبادیاں قائم کرنے میں بھی یہ حسن انتخاب کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ وہ نہ جگہ کو دیکھتے تھے۔ نہ ہوا کی عمدگی کو نہ پانی کو۔ نہ کھیتوں اور چراگاہوں کو —— انہی باتوں کے فرق سے شہر کی عمدگی اور خرابی کا فرق پڑا کرتا ہے۔ عرب لوگ ان باتوں سے قطعاً ناآشنا تھے۔ وہ لوگ تو محض اپنے اونٹوں کی چراگاہوں کا خیال رکھ سکتے تھے۔ پانی کی انھیں پروا نہیں تھی اچھا ہو یا خراب ہو۔ کم ہو۔ یا زیادہ ہو۔ وہ یہ پوچھتے ہی نہیں تھے کہ کھیتوں کے لئے یہاں کی زمین کیسی ہے۔ ہوا اچھی ہے۔ یا خراب ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ انھوں نے کوفہ، بصرہ اور قیروان میں اپنی نوآبادیاں قائم کیں، انھوں نے محض ان باتوں کا خیال رکھا ہے کہ یہ جگہیں اونٹوں کے لئے کسی چراگاہ اور عرب کے ریگستانوں سے قریب تر ہو سکتی ہیں۔ اس کے برعکس ان تمام طبعی حالات سے جو شہروں کی آبادی کے لئے لازمی ہونے چاہئیں۔ انھیں دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ان جگہوں کی اپنی کوئی پیداوار نہیں تھی۔ جو عربوں کے بعد ان کو آباد رکھنے میں مدد دے سکتی۔ ان کی جائے وقوع سکونت و قیام کے لئے غیر فطری تو تھی ہی۔ ساتھ ہی یہ جگہیں مختلف قوموں کے درمیان میں بھی واقع نہیں تھیں کہ لوگ انھیں آباد رکھتے۔ چنانچہ اول وہلہ ہی میں —— جوں ہی عربوں کی حکومت مضمحل اور ان کی عصبیت ختم ہوئی۔ جو ان کی زندگی کا باعث تھی —— ان شہروں پر بربادی اور تباہی آنی شروع ہو گئی۔[۳]

صنعت و حرفت سے یہ لوگ بہت دور تھے۔ کیونکہ قدیم الایام سے یہ لوگ بدوی زندگی گذارنے کے عادی اور تمدن و حضارت سے دور چلے آرہے تھے۔ صنعت و حرفت ایسی چیزیں ہیں جو تمدن و حضارت کے ساتھ ہی چل سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کے وطن یعنی جزیرۂ عرب اور ان ممالک میں جن کے وہ اسلام کے بعد مالک ہوئے تھے۔ صنعت و حرفت کو بہت کم فروغ حاصل ہو سکا۔ حتیٰ کہ عموماً زیادہ تر چیزیں غیر ممالک سے برآمد کی جاتی تھیں۔[۴]

علم و فن سے بھی ان کو کوئی علاقہ نہیں تھا۔ کیونکہ علوم و فنون ایسے ملکات کا نام ہے۔ جو تعلیم کے محتاج ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی صنعت ہی کے حکم میں ہوتے ہیں۔ اور عرب لوگ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ صنعت سے بہت دور تھے۔ اسی وجہ سے علوم و فنون ہمیشہ شہری رہے ہیں۔ اور عرب لوگ علوم و فنون کے بازاروں سے ہمیشہ دور رہے۔ شہری لوگ اس زمانہ میں عجمی ہی تھے۔ یا وہ آزاد شدہ غلام جو دراصل عجمی ہی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حاملین علم اسلام میں بھی زیادہ تر عجمی ہی رہے۔ یا وہ لوگ رہے۔ جن کی تربیت عجم میں ہوئی تھی اور جن کی زبان خالص عربی نہیں رہی تھی۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم کی حفاظت اور تدوین کے لئے سب سے پہلے عجمی ہی اٹھے۔[۵]

ان تمام باتوں کے باوجود ان لوگوں میں حق اور راستبازی کو جلد تر قبول کر لینے کی صلاحیت ضرور موجود تھی۔ جو متمدن اقوام میں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان کے طبائع میں سلامتی تھی اور تمدن کی کجروی سے یہ لوگ ناآشنا تھے۔ حضارت کے کمینہ اخلاق و عادات سے یہ لوگ پاک تھے۔ ان میں وہی عیوب موجود تھے جو توحش کی پیداوار ہوا کرتے ہیں۔ مگر یہ عیوب ایسے لوگوں کو جفاکشی اور قبول خیر سے قریب تر کر دینے والے ہوتے ہیں۔[۶]

یہ لوگ شجاعت اور بہادری سے قریب تر تھے۔ کیونکہ یہ لوگ شروع سے اپنی مدافعت خود ہی کرنے کے عادی تھے۔ یہ فرض انھوں نے کبھی دوسروں کو نہیں سونپا تھا۔ انھوں نے اپنا بچاؤ دوسروں کے ذریعہ کرنا نہیں سیکھا تھا۔ وہ چوبیس گھنٹے ہتھیار بند رہتے تھے۔ وہ ایک آواز پر ہر طرف سے جمع ہو جانے کے عادی تھے۔ جنگ و جدل ان کی عادت اور شجاعت ان کی فطرت بن گئی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ متوحش بادیہ نشین عرب ہمیشہ اپنے امراء اور حکام سے زیادہ جنگ آزما تھے اور بہادر ثابت ہوئے ہیں۔[۷]

دوسری تمام قوموں کے مقابلہ میں عرب لوگ ہمیشہ سے وضاحت کلام اور طلاقت لسان اور فصاحت نطق کے ساتھ موصوف رہے ہیں۔ دوسری تمام قوموں کے مقابلہ میں عربوں کو یہ امتیاز اور خصوصیت پہلے دن سے حاصل رہی ہے۔[۸]

۴ —— اولیری کا بیان ہے کہ "عربی آدمی جسے مثال اور نمونہ شمار کیا جا سکے —— قطعاً مادی ہوتا ہے۔ وہ تمام چیزوں کی طرف مادی نگاہ سے ہی دیکھتا ہے۔ وہ چیزوں کی قدر و قیمت محض اس انداز سے لگاتا ہے کہ ان سے اسے کیا نفع حاصل ہوگا۔ حرص اور طمع اس کے حواس پر چھائی ہوئی ہوتی ہے، خیال اور جذبات کی اس کے ہاں کوئی جولانگاہ نہیں ہوتی وہ زیادہ تر کسی دین کی طرف میلان نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی وہ کسی چیز کی پروا کرتا ہے۔ وہ چیزوں کی اتنی ہی پروا کر سکتا ہے جتنا اسے ان سے کوئی عملی فائدہ ہو سکے۔ عزت نفس کا اسے پورا پورا شعور ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ تسلط و تغلب پر برافروختہ ہو جاتا ہے، خواہ وہ کسی شکل میں بھی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ سردار قبیلہ اور امیر لشکر کو بھی پہلے دن سے جب سے اسے سرداری کے لئے منتخب کیا گیا ہو۔ ہر فرد قبیلہ سے حسد، بغض اور خیانت کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ خواہ وہ اس سے پہلے اس کا کتنا ہی مخلص دوست کیوں نہ رہا ہو۔ جو آدمی اس پر احسان کرتا ہے۔ وہ اس سے انتقام لینے کے درپئے رہتا ہے۔ کیونکہ اس کا احسان اس کے اندر اپنی ذلت اور فروتنی کے احساس کو بیدار کر دیتا ہے۔ چنانچہ احسان کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ احسان کرتے ہوئے اتنا ضرور کہہ دے۔ "آپ اس کا کچھ خیال نہ فرمائیں" ایک عربی شخص انفرادی حریت کا نمونہ ہے۔ لیکن ایسی انفرادی حریت جس میں بڑی حد تک مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

---

۱ ابن خلدون صـ۱۲۳ ۲ ایضاً صـ۱۲۴ ۳ ابن خلدون صـ۳۰۰ ۴ ایضاً صـ۳۳۱ ۵ ایضاً صـ۴۷۸ ۶ ایضاً صـ۱۲۷ ۷ ایضاً صـ۱۹۱ ۸ ایضاً صـ۳۹ ۹ ملاحظہ ہو اولیری کی کتاب

دعوتِ قرآن

(۱۲)

(۹) وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۚ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (حجرات رکوع ۱)

اور اگر خود مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان حتی الامکان فوراً صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے۔ پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کردو۔ اور انصاف کا خاص خیال رکھو۔ بیشک اللہ انہی کو پسند کرتا ہے جو انصاف کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لئے اپنے دو بھائیوں کے درمیان تمہارا صلح کرا دینا ضروری ہے اور آپس کے تعلقات کا درست رکھنا لازمی اور قانون خداوندی سے ہم آہنگ ہو تاکہ تم پر رحمت ہو۔"

(۱۰) فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِأَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (تغابن۔ رکوع ۲)

سو جہاں تک تمہارے بس میں ہے یا تم سے ممکن ہو سکے، اللہ کے قانون سے ہم آہنگ رہو اور جو کچھ اللہ نے کہا ہے اس کو سنو اور فرماں برداری کرو اور مال کو مفاد عام کے لئے کھلا چھوڑ دو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور جان لو کہ وہی فلاح پائے گا جو اپنے نفس کے بخل اور حرص سے بچا رہے گا۔

(۱۱) وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ (انفال رکوع ۸)

اور ہاں ان کافروں کے مقابلے کے لئے، جہاں تک تمہارے بس میں ہے یا تم سے ممکن ہو سکے قوت پیدا کرکے اور گھوڑے تیار رکھ کر اپنا ساز و سامان ہر وقت مہیا کئے رہو۔ کہ اس طور پر مستعد رہ کر تم خدا کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے۔ نیز ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھی جن کی تمہیں خبر بھی نہیں ہے۔ اللہ البتہ انہیں جانتا ہے۔"

---

(۱) اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ۖ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ۖ وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ (حدید رکوع ۳)

تم خوب اچھی طرح جان لو کہ مفاد عاجلہ پر نگاہ رکھنے والوں کی زندگی محض کھیل کود، ظاہری زیب و زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے۔ اس کی مثال بس یونہی ہے کہ جیسے مینہ، کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے سو تم اس کو زرد دیکھتے ہو۔ پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے، اور آخری انجام میں عذاب شدید ہے"

(۲) وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ (رعد رکوع ۴)

اور یہ لوگ مفاد عاجلہ کی زندگی پر اتراتے ہیں؛ حالانکہ مفاد عاجلہ کی زندگی آخری نتیجے کے مقابلہ میں بجز ایک متاع قلیل کے اور کچھ بھی نہیں۔"

(۳) زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ۝ (آل عمران ع ۲)

انسانوں کے لئے مرد و عورت کے رشتے میں، اولاد میں، سونے چاندی کے ذخیروں میں، نشان زدہ گھوڑوں میں، مویشیوں میں، اور کھیتی باڑی میں، دل کا لگاؤ اور خوشنمائی رکھ دی گئی ہے۔ لیکن یہ جو کچھ ہے، مفاد عاجلہ کی زندگی کی عارضی لذتیں ہیں، بہتر مآل و انجام تو بس اللہ ہی کے قانون کے ساتھ ہے۔

(۴) مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (ھود رکوع ۲)

جو کوئی صرف مفاد عاجلہ کی زندگی اور اس کی دلفریبیاں ہی چاہتا ہے تو ہم اس کی کوشش و عمل کے نتائج پورے پورے دیدیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ان معاملات میں اس کے ساتھ کمی کی جائے لیکن یاد رکھو کہ ایسے لوگ وہ ہیں جن کے لئے آخری انجام میں آگ کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ جو کچھ انہوں نے عمل کیا ہے وہ آخری انجام میں محض بیکار ہوگا اور جو کچھ کرتے رہے ہیں وہ سب اکارت جائے گا۔

---

(۱) وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (یونس ع ۲)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو بے ساختہ پکارنے لگتا ہے، لیٹے بھی بیٹھے بھی، کھڑے بھی۔ پھر جب ہم اس کی وہ تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ پھر اپنی پہلی حالت پر آ جاتا ہے اور اس طرح کہ جیسے، جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کے ہٹانے کے لئے اس نے ہم کو کبھی پکارا ہی نہ تھا۔ ان حد سے نکل جانے والوں کے اعمال ان کو اسی طرح مستحسن معلوم ہوتے ہیں۔"

(۲) وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ ۝ (حٰم سجدہ ع ۶)

اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ ہم سے منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ پھیر لیتا ہے۔ اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔

(۳) يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ (بقرہ ۲۱)

اے لوگو! زمین میں جس قدر حلال اور پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے مہیا کر دی گئی ہیں شوق سے کھاؤ۔ (یہ جو لوگوں نے اپنے وہموں اور خیالوں سے طرح طرح کی کاوشیں اختیار کر رکھی ہیں تو یہ شیطانی وسوسے ہیں۔ تم) شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے ہی۔

اسلامی معاشرت
از پرویز ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے

مجلسِ اقبال

اب مثنوی کی تمہید شروع ہوتی ہے جس کے ابتدائی دو شعر یہ ہیں:

راہ شب، چوں مہر عالمتاب زد گریۂ من بر رخِ گل، آب زد

اشکِ من از چشمِ نرگس خواب شست سبزہ از ہنگامہ ام، بیدار رُست

جب مہر عالمتاب نے رات کی تاریکیوں پر چھاپا مارا، اور صبح نمودار ہونے کو آئی تو میرے آنسوؤں نے پھولوں کا منہ دھلایا۔ نرگس کی آنکھ سے نیند کے خمار کو دور کیا۔ اور میرے آہ و نالہ کے ہنگامہ سے سبزہ خوابیدہ بیدار ہو اور اُبھرا۔

مثنوی اسرارِ خودی اقبالؔ کا سب سے پہلا مرتب کلام ہے اور اس مثنوی۔ کی تمہید کے پہلے ہی دو شعر اس حقیقت کو بے نقاب کر رہے ہیں کہ اقبالؔ کس طرح اپنے مقام اور پیام سے ابتدا ہی سے آگاہ تھا اس نے کس طرح اس حقیقت کو پالیا تھا کہ مبدا فیض نے اسے ایک اہم فریضہ کی سرانجام دہی کے لئے صحن چمن کائنات میں بھیجا ہے، جہاں اس نے اپنی نغمہ سرائی اور تلخ نوائی سے ہر پھول اور شاخ کو شہید جستجو بنا دینا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں کے فکر و عمل کی دنیا پر پوری طرح سے تاریکی مسلط تھی اور کسی طرف سے امید کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی تھی۔ عین اس زمانے میں، غلام آباد ہند میں اقبالؔ پیدا ہوتا ہے اور اپنے پیغام حیات بخش سے ساری فضا کو مرتعش کر جاتا ہے۔ آج پاکستان میں بالخصوص اور باقی دنیائے اسلام میں بالعموم، فکر جدید کی جو رو نظر آ رہی ہے، یہ اسی حکیم الامت کی جگر کاوی کا نتیجہ ہے۔ چونکہ اقبالؔ نے اس حقیقت کو قرآن کے غائر مطالعہ سے پایا تھا اس لئے اسے پہلے دن سے اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی کہ وہ ایک ایسے دور میں پیدا ہوا ہے جب فکر کی دنیا سے جمود و تقلید کی تاریکیاں چھٹ جانے کو ہیں اور اس کے ساتھ ہی اسے اس حقیقت کے احساس میں بھی کوئی دشواری نہیں پیش آئی کہ اس انقلابی دور میں اس کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوا ہے کہ وہ صدیوں سے محو خواب مسلمان کے لئے بانگِ اذاں بنے اور اسے "الصلوٰۃ خیر من النوم" کے نعرۂ حیات آور سے، پھر سے زنداں کی دُنیا میں لے آئے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے اس نے مثنوی کی تمہید کے مندرجہ صدر دو اشعار میں بیان کیا ہے۔ یعنی اپنا مقام اور پیام۔ جہاں تک اس پیام کے اثر کا تعلق ہے، آنے والے زمانے نے بتا دیا کہ یہ الفاظ فی الواقعہ نوائے سروش تھے۔ دنیا میں جس قدر مقبولیت اقبالؔ کے پیام کو ہوئی ہے اس کی نظیر شاید ہی کہیں اور ملے۔ اور یہ مقبولیت ہوتی کیوں نہ، اقبالؔ نے افسانوی دنیا کے لفظی گورکھ دھندے نہیں پیش کئے تھے۔ اس نے زندگی کے تیز و گرم حقائق پیش کئے تھے جن کی بنیاد قرآن کی محکم تعلیم پر تھی۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے اس نے تمہید کے تیسرے شعر میں بیان کیا ہے کہ

باغباں زورِ کلامم آزمود مصرعے کارید و شمشیرے درود

باغباں نے یہ دیکھنے کے لئے کہ میری مضمر صلاحیتوں میں کس قسم کی ممکنات پوشیدہ ہیں اور میں اس اہم فریضہ کی سرانجام دہی کے قابل ہوں بھی یا نہیں، جسے میرے سپرد کیا جا رہا ہے میرے زورِ کلام کو آزمایا۔ اس مقصد کے لئے اس نے میرے ایک مصرعہ کو زمین میں بویا تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ اس تخم نرم و نازک سے شمشیر خارا شگاف اُگ رہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مستقل اقدار کا بیج، توتوں کے پھل لاتا ہے۔ اس سے وہ شجر طیبہ پیدا ہوتا ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ "اصلھا ثابتۃ و فرعھا فی السماء" جس کی جڑیں پاتال میں اور شاخیں آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب باغبانِ چمن کائنات نے میرے ممکنات کا اس طرح اندازہ کر لیا تو

درچمن جز دانۂ اشکم نکشت تار افغانم بپود باغ رشت

اس نے اس باغ میں میرے گریۂ سحری کے تابندہ قطرات کے علاوہ اور کوئی بیج نہ بویا۔ اور میرے نالۂ نیم شبی کے تانے کو باغ کے بانے میں بُن کر اس سے ناموسِ ملت کے لئے شرف و مجد کی نئی چادر تیار کی۔ باغبانِ صحن کائنات کی اس ذرہ نوازیوں کا صدقہ ہے کہ

ذرہ ام مہر منیر آنِ من است صد سحر اندر گریبانِ من است

اگرچہ میں ایک ذرۂ ناچیز ہوں لیکن مہر عالمتاب میری ملک ہے (یا پوری کائنات کو روشن کر دینے والا آفتاب، میرا ایک لمحہ ہے۔ آنؔ کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں)۔ اور ایک سحر کیا۔ میرے گریبان کے اندر سینکڑوں آئینہ پاش صبحیں پوشیدہ ہیں۔ اس گریبان کے چاک ہونے کی دیر ہے، "یہ زمین اپنے نشو و نما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی"۔

خاکِ من روشن تر از جامِ جم است محرم از نازادہائے عالم است

اگرچہ میں بظاہر ایک پیکر آب و گل ہوں لیکن میری مٹی، جامِ جم سے بھی زیادہ روشن ہے۔ جامِ جم میں تو صرف موجود دنیا کی جھلک ہی دکھائی دیا کرتی تھی۔ میری نگران رموز و اسرار عالم سے بھی واقف ہے جو ابھی پردۂ کتم میں ہیں اور عالم شہود میں نہیں آئے۔ اس لئے کہ میری بصیرت اس خدائے علیم و خبیر کی وحی سے مستنیر ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

فکرم آں آہو سر فتراک بست کو ہنوز از نیستی بیروں نجست

میری فکر اس آہو کو بھی شکار کر لیتی ہے جو ابھی پردۂ عدم سے باہر نہیں آیا۔ اور

سبزہ نارو مُیدہ زیبِ گلشنم گل بشاخ اندر، نہاں در دامنم

میرے گل کدۂ فکر و بصیرت کی زیبائش اس سبزے سے ہو رہی ہے جو ابھی زمین سے پھوٹا بھی نہیں اور میرا دامن ان پھولوں سے رشکِ بہار بن رہا ہے جو ابھی شاخ کے اندر محوِ خواب ہیں۔

اس سے یہ مطلب نہیں کہ اقبالؔ غیب کے علم کا مدعی ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ جو شخص وحی کی روشنی میں کارگہ کائنات پر غور و فکر کرتا ہے اس کے سامنے وہ حقیقتیں بے نقاب ہو جاتی ہیں جو دوسرے لوگوں کی نگاہوں سے یکسر مستور ہوتی ہے۔ ایک موسم شناس محض ہوا کے رُخ سے آنے والے طوفان کا پتہ دے دیتا ہے۔ اس لئے کہ یہاں سب کچھ خدا کے مقرر کردہ غیر متبدل قوانین کے مطابق ہو رہا ہے اس لئے جو دیدہ ور ان قوانین خداوندی کو سمجھ لیتا ہے اس کے لئے اسبابِ علل (CAUSE) سے نتائج (EFFECT) کا پتہ دے دینا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ جس طرح ایک طبیب حاذق کے لئے اس کا حکم لگا دینا کچھ مشکل نہیں ہوتا کہ اس دوا کا اثر یہ ہوگا اسی لئے اقبالؔ نے کہا تھا کہ

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا میرے آئینۂ ادراک میں ہے

اقبالؔ نے "آئینۂ ادراک" کہہ کر اس حقیقت کی وضاحت کر دی ہے کہ اس مستقبل شناس کا تعلق فکر و شعور کی بنا پر ہے۔ کسی قسم کی لاہوتی "غیب دانی" کی بنا پر نہیں۔

آپ طلوعِ اسلام کی مدد کیسے کر سکتے ہیں؟

اپنے احباب کو طلوعِ اسلام کا خریدار بنایئے۔

اپنے شہر میں طلوعِ اسلام کی ایجنسی قائم کیجئے۔

کسی مقامی ایجنٹ کو تیار کیجئے کہ وہ طلوعِ اسلام کا لٹریچر منگائے

اپنے علاقے سے طلوعِ اسلام کیلئے
اشتہار مہیا کیجئے

طاہرہ کے نام

نہیں بیٹا، اس میں تمہارا قصور نہیں جب سارے ملک میں ایک ہنگامہ برپا ہو۔ تو اس سے غیر متاثر رہنا اگر نا ممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتا ہے۔ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے، اس کے سامنے ایک مملکت کا وزیر اعظم اور اس کا ادنیٰ سا چپراسی دونوں برابر ہیں (میں نے چپراسی کو ادنیٰ سا محض وزیر اعظم کے تقابل کے لحاظ سے لکھا ہے۔ ورنہ قرآنی معاشرے میں تقسیم کار کے اعتبار سے ادنیٰ اور اعلیٰ کی تمیز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس معاشرہ میں نظام ملت کے مختلف فرائض مختلف افراد کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ اور کوئی ایک دوسرے سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمہارے سپرد ادنیٰ درجہ کا کام ہوا ہے اس لئے تم ادنیٰ ہو اور میرے ذمہ اعلیٰ درجہ کا کام ہوا ہے۔ اس لئے میں اعلیٰ ہوں۔ وہاں ادنیٰ اور اعلیٰ کا معیار یہ ہے کہ جو ان فرائض خداوندی کی تکمیل بطریق احسن کرتا ہے۔ وہی سب سے اعلیٰ اور واجب التکریم ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ) البتہ ہمارے موجودہ معاشرے میں ہوتا یہ ہے کہ جو کام ایک بڑا آدمی کرتا ہے (یعنی جو کسی بڑے منصب پر سرفراز ہوتا ہے) اس کا چرچا عام ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے لوگ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں ورنہ جہاں تک قرآنی فیصلے کا تعلق ہے۔ اس کا اطلاق بڑے اور چھوٹے سب پر یکساں ہوتا ہے۔ قرآن میں نکاح وطلاق کے جس قدر احکام ہیں۔ ان کا اطلاق ایک بادشاہ پر بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح ایک مزدور پر۔ اس میں (تمہارے الفاظ میں) "وزیر اعظم اور نتھو چمار" میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

اب اصل بات کی طرف آؤ۔ وحدتِ ازدواج (MONOGAMY) اور تعدد ازدواج (POLYGAMY) کا مسئلہ (یعنی ایک مرد کی بیک وقت ایک ہی بیوی ہو سکتی ہے یا ایک سے زیادہ) قوموں کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ تم تاریخ کی کتابوں میں دیکھو۔ اس بات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہوگا کہ فلاں قوم وحدت ازدواج کے مسلک پر کاربند تھی۔ اور فلاں تعدد ازدواج کی قائل۔ اس سے قوموں کی تہذیب و تمدن اور فکر و عمل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اگر تہذیب کے کسی مورخ کو کسی پرانی قوم کے متعلق یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان کا ازدواجی مسلک کیا تھا تو وہ اس قوم کے متعلق بڑی بڑی دور رس باتوں کا اندازہ لگا لے گا۔ یہ ہے اس مسئلہ کی اہمیت۔

اب دوسری طرف قرآن کریم کے متعلق ہمارے دعووں کو دیکھو تو ہر شخص یہ کہتا ہوا سنائی دے گا کہ قرآن ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جس میں نوع انسانی کی معاشرتی، معاشی، اقتصادی، عمرانی، سیاسی، عائلی، اجتماعی، انفرادی زندگی کے متعلق مکمل اور بے مثل و بے نظیر راہ نمائی موجود ہے اور وہ تمام انسانی مسائل کا پورا پورا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ ہوئی اس کتاب کی اہمیت۔ اب ظاہر ہے کہ جو ضابطہ حیات اس قدر مکمل ہو، اسے وحدت اور تعدد ازدواج جیسے اہم مسئلہ کے متعلق تو صاف اور واضح راہ نمائی دینی چاہیئے۔ اگر وہ انسانی زندگی کے ایسے اہم سوال کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں دیتا یا اگر فیصلہ دیتا ہے تو وہ ایسا مبہم ہے کہ جس کا جو جی چاہے اس سے مطلب نکال لے۔ تو ایسی کتاب کے متعلق "مکمل اور بے مثل و بے نظیر ضابطہ حیات" ہونے کا دعوےٰ جو حقیقت رکھ سکتا ہے۔ وہ ظاہر ہے لیکن ہمارے ہاں اس مسئلہ کے متعلق جو بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس ضمن میں ہمارے سامنے کوئی متعین اور واضح فیصلہ نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ قرآن نے اس باب میں کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ یا اگر فیصلہ دیا ہے تو وہ (خدانکردہ) مبہم اور غیر متعین ہے۔ قرآن نے تو صاف اور واضح فیصلہ دیا ہے۔ لیکن ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم قرآن کو ہمیشہ ان خیالات کے تابع رکھتے ہیں جو ہمارے ذہن میں کسی نہ کسی طرح پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جب ہم قرآن کی طرف اس طرح رجوع کریں گے تو جو راہ نمائی ہم وہاں سے حاصل کریں گے۔ وہ قرآن کی راہ نمائی نہیں ہوگی بلکہ ہمارے اپنی خیالات کی ترجمانی ہوگی۔ جنہیں لے کر ہم قرآن کی طرف گئے تھے۔ جیسا کہ میں اس سے پہلے کئی مرتبہ لکھ چکا ہوں۔ قرآن کی طرف اس طرح رجوع کرنا شرک جلی اور جرم عظیم ہے شرک اس لئے کہ اس طرح ہم جس راہ نمائی کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت غیر خدائی راہ نمائی ہوتی ہے۔ اور جرم عظیم اس لئے کہ اس سے ہم اپنے آپ کو بھی دھوکا دیتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی فریب میں مبتلا رکھتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے تمہیں پہلے بھی ایک خط میں لکھا تھا کہ تعدد ازدواج کے متعلق سارے قرآن میں صرف ایک آیت ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً (۴/۳) اس پر غور کرو طاہرہ! کہ قرآن کا یہ دعوےٰ ہو کہ وہ صاف اور واضح زبان (عربی مبین) کی کتاب ہے۔ اور اس میں کسی معاملہ کے متعلق صرف ایک آیت ہو (یعنی صورت یہ بھی نہ ہو کہ اس معاملہ کے متعلق بہت سی آیات ہیں۔ اس لئے ان سب کو یکجا سامنے رکھ کر معانی متعین کرنے میں دشواری ہوتی ہے) تو کیا اس پر بھی اس معاملہ کے متعلق قرآن سے متعین اور واضح راہ نمائی نہیں مل سکیگی؟ اس آیت کا صاف ترجمہ یہ ہے کہ

> اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ تم یتامیٰ کے معاملہ میں انصاف نہیں
> کر سکوگے تو تم النسآء میں سے حسب پسند دو دو، تین تین، چار چار،
> تک اپنے نکاح میں لے آؤ۔ لیکن اگر تمہیں اس کا خوف ہو کہ تم عدل نہیں
> کر سکوگے۔ تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔

سوال یہ ہے کہ یہاں یتامیٰ سے کون مراد ہیں۔ اور وہ النسآء جن سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے کون ہیں؟

عربی زبان میں یتیم کے بنیادی معنی ہیں تنہا، اکیلا، جس بچے کا باپ مر جائے اسے بھی یتیم کہتے ہیں۔ اگر وہ بچہ لڑکا ہو تو بالغ ہو جانے کے بعد اسے یتیم نہیں کہتے۔ لیکن اگر وہ لڑکی ہو۔ تو اس کے متعلق لغت میں ہے کہ جب تک اس کی شادی نہ ہو جائے، اسے یتیم ہی کہا جائے گا۔ خواہ وہ بالغ بھی کیوں نہ ہو جائے۔ تاج العروس عربی زبان کی بڑی مشہور اور مستند لغت ہے۔ اس میں شعراء کے کلام کی سند کے ساتھ ائمہ لغت کے اقوال بھی دیئے ہیں۔ جن میں وضاحت سے لکھا ہے کہ جب تک اس لڑکی کی شادی نہ ہو جائے اسے یتیم ہی کہا جائے گا۔ عربی کی دوسری مستند لغت، لسان العرب میں ہے کہ یتیم اس عورت کو کہتے ہیں۔ جس کا خاوند نہ ہو۔ خود سورۂ نساء میں دوسرے مقام پر یتٰمی النساء (۴/۱۲۷) کی اصطلاح آئی ہے۔ "یتیم عورتیں" یعنی وہ عورتیں جن کا خاوند نہ ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ مندرجہ صدر آیت میں یتامیٰ کے معنی ہوں گے۔

(۱) ایسے نابالغ بچے (لڑکے اور لڑکیاں) جن کے باپ مر چکے ہوں۔ اور

(۲) ایسی بالغ (شادی کے قابل) یتیم لڑکیاں جن کی شادی نہ ہوئی ہو نیز بیوہ عورتیں۔

لہٰذا قرآن نے یہ کہا ہے کہ اگر تمہارے معاشرے میں ایسی صورت پیدا ہو جائے (مثلاً جنگ کی وجہ سے) کہ مرد ضائع ہو جائیں۔ اور یتیم بچے اور شادی کے قابل بالغ لڑکیاں اور بیوہ عورتیں بکثرت رہ جائیں۔ اور اس طرح یہ خطرہ لاحق ہو جائے کہ ان کے حقوق و واجبات پورے نہیں ہو سکیں گے۔ تو اس ہنگامی صورت کا علاج یہ ہے کہ

> ان میں سے جو عورتیں (النسآء) تمہیں پسند آئیں، ان سے
> چار کی حد تک شادی کر لو۔

یہاں النسآء کا لفظ آیا ہے، ظاہر ہے کہ

(۱) وہ بالغ یتیم لڑکیاں جو شادی کی عمر تک پہونچ چکی ہیں النسآء میں داخل ہیں اور

(۲) وہ بیوہ عورتیں جن کے یتیم بچے رہ گئے ہیں۔ وہ بھی النسآء میں داخل ہیں۔

لہٰذا علاج یہ بتایا گیا ہے کہ یتامیٰ کے اس گروہ میں سے جو یتیم لڑکیاں شادی کے قابل ہوں۔ یا بیوہ عورتیں۔ انھیں حسب پسند (چار کی حد تک) اپنے نکاح میں لے آؤ۔ اور اس طرح "ان تنہا رہ جانے والے" خانماں برباد افراد کو اپنے اپنے خاندانوں کا جزو بنالو، بشرطیکہ تم ان میں عدل کر سکو اگر عدل نہ کر سکو تو اس کی بھی اجازت نہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ

(الف) ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت صرف اسی وقت ہے۔ جب معاشرہ میں یتیم بچے اور شادی کے قابل یتیم لڑکیاں اور بیوہ عورتیں خطرہ کا موجب بن جائیں۔ اور

(ب) یہ شادی ان قابل نکاح یتیم لڑکیوں یا بیوہ عورتوں سے کی جائے۔

طاہرہ! تم سورۂ النسآء کی مندرجہ صدر آیت اور تصریحات بالا پر اچھی طرح غور کرو اور سوچو کہ اس آیت کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں کوئی دقت بھی پیش آتی ہے۔ اور یہ بھی سوچو کہ مندرجہ بالا صورت کے علاوہ کوئی اور صورت بھی ہے۔ جس میں ایک سے زیادہ شادی کی اجازت دی گئی ہو؟ کیا تمہیں قرآن کی اس راہ نمائی میں کوئی ابہام، کوئی الجھاؤ یا کوئی پیچیدگی نظر آتی ہے؟ قرآن کی یہ راہ نمائی کسی ایک فرد کے لئے نہیں۔ بلکہ اس ساری کی ساری قوم کے لئے ہے۔ جو

قرآن پر ایمان رکھتی ہے۔ پھر یہ حکم صرف مردوں کے لئے نہیں بلکہ عورتوں کے لئے بھی ہے۔ یعنی جس طرح کسی مرد کو یہ اجازت نہیں کہ (ان خاص ہنگامی حالات کے علاوہ) اور کسی حالت میں ایک سے زیادہ شادی کرے۔ اسی طرح کسی مسلمان عورت کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ (ان ہنگامی حالات کے علاوہ) کسی مرد کی ایک بیوی کے ہوتے ہوئے اس سے نکاح کرلے۔ اسلام میں عورت کی مرضی کے بغیر نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا (ان ہنگامی حالات کے علاوہ) ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا مجرم اگر مرد ہے تو وہ عورت جو اس مرد کے نکاح میں آجانا پسند کرتی ہے وہ بھی قرآن کی رو سے مجرم ہے۔

ان تصریحات کی روشنی میں تم ذرا ان ہنگاموں پر غور کرو جو پچھلے دنوں سے یہاں برپا ہو رہے ہیں۔ اور جن سے متاثر ہو کر تم نے اس مسئلہ کے متعلق دوبارہ دریافت کیا ہے۔ پہلے تم اپنی ہم جنس بہنوں کو دیکھو جو اس قدر شعلہ بر آتش ہو رہی ہیں۔ کیا ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ کہا ہے کہ قرآن کی رو سے ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت صرف ان ہنگامی حالات میں ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے؟ اس کی بین وجہ تو یہی ہو سکتی ہے کہ ان احتجاج کرنے والیوں کو خود بھی علم نہیں کہ اس باب میں قرآن کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن غیر شعوری طور پر شاید یہ بھی وجہ ہو کہ ان میں سے کئی ایک ایسی ہیں جو اپنے مردوں کی پہلی بیوی کی موجودگی میں ان کے نکاح میں آئی ہوئی ہیں۔ پھر ان کا احتجاج بھی وزیر اعظم (محمد علی صاحب) کے خلاف ہے کہ انہوں نے دوسری شادی کیوں کی۔ ان کی اس نئی بیوی کے خلاف نہیں کہ وہ ان کے نکاح میں کیوں آئیں؟ حالانکہ اس سے پہلے انہوں نے خود ایک ریزولیشن پاس کیا تھا کہ اس قسم کی "بسے گھروں کو اجاڑنے والی" (   ) کا بائیکاٹ کیا جائیگا! اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک طرف ان کا مطالبہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں دونوں بیویوں میں عدل کرنا چاہیئے۔ اور دوسری طرف ان کا مطالبہ یہ ہے کہ وزیر اعظم کو چاہیئے کہ مملکت کی "بیگم اول" کی فائق حیثیت اپنی پہلی بیوی ہی کو دیں؟ کیا دو بیویوں میں عدل اسی کو کہتے ہیں۔؟

تم نے دیکھا بیٹی! کہ ہم میں سے جو احتجاج کرنے کے لئے بھی اٹھتا ہے، اس کا احتجاج محض ہنگامی جذبات پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد نہ علم و بصیرت پر ہوتی ہے۔ نہ قرآنی احکام پر۔ اسی ضمن میں اس مسودۂ قانون کو بھی دیکھو جو ایک محترمہ بہن (بیگم مقصد حسین) کی طرف سے پنجاب اسمبلی میں پیش ہوا ہے۔ اسی مسودہ کی تمہید میں ہمیں یہ روح پرور اور بصیرت افروز توجیہ ملتی ہے۔

> ہرگاہ یہ امر قرین مصلحت ہے کہ اسلامی قانون کے احکام متعلقہ شادی، انفساخ نکاح، طلاق، مہر اور حضانت کو قرآنی قوانین کی روح کے مطابق بنانے کے پیش نظر مجتمع کیا جائے۔ اور ان کی وضاحت کی جائے۔

یہ توجیہ اس اعتبار سے روح پرور اور بصیرت افروز ہے۔ کہ اس "اسلامی مملکت" میں کسی کو اتنی توفیق تو ارزاں ہوئی کہ موجودہ قوانین کو تبدیل کرتے وقت اس نے "قرآنی قوانین" کا نام لیا۔ ورنہ یہاں قرآن کا نام اس قدر شجر ممنوعہ قرار دیا جا رہا ہے کہ انسان اسے زبان تک لاتے وقت دائیں بائیں دیکھتا ہے کہ کوئی سن تو نہیں رہا۔ لیکن اس کے باوجود اس توجیہ میں ایک بڑا نقص ہے۔ جن معاملات میں قرآن نے صرف اصول دیئے ہیں۔ ان کے متعلق تو یہ کہنا ٹھیک ہوتا ہے کہ ہمیں ایسے قوانین بنانے چاہئیں جو ان اصولوں کی روح کے مطابق ہوں۔ لیکن جن معاملات میں قرآن نے خود قوانین مرتب کر دیئے ہیں ان کی بابت یہ کہنا درست نہیں ہوتا کہ ہمیں ان معاملات کو "قرآنی قوانین کی روح" کے مطابق بنانا چاہیئے۔ ایسے معاملات کو قرآنی قوانین کی روح نہیں بلکہ عین قرآنی قوانین کے مطابق بنانا ہی شرط اسلام ہے۔

اب اصل مسودہ کی طرف آؤ۔ اس میں پہلی شق یہ ہے کہ کوئی مرد عدالت کی اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکتا۔ قرآن کی رو سے دوسری شادی کی اجازت صرف ان ہنگامی حالات میں مل سکتی ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس امر کا فیصلہ کہ ایسے ہنگامی حالات موجود ہیں نظام ہی کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ افراد از خود اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔

لیکن اس کے بعد مسودہ میں ہے کہ کوئی عدالت کسی مرد کو دوسری شادی کی اجازت دینے کی مجاز نہیں ہوگی۔ تاوقتیکہ وہ شخص عدالت کو مطمئن نہ کر سکے کہ

(۱) اس کی بیوی دس سال کے عرصے سے بانجھ ہے (پہلے "متعدی مرض" کی شرط تھی جسے بعد میں صرف بانجھ پن کی شرط سے منسلک کر دیا گیا ہے)۔

(۲) یا وہ فاتر العقل ہے

(۳) اور اس کے ذرائع آمدنی دونوں بیویوں اور اس کے اور اس کے بچوں کے کفیل ہو سکتے ہیں۔ یا کہ

(۴) وہ دونوں بیویوں سے برابر کا انصاف روا رکھ سکتا ہے اور یکساں محبت کا برتاؤ کر سکتا ہے۔

تم نے دیکھا طاہرہ! ہماری یہ محترمہ بہن جو نکاح کے معاملات کو قرآنی قوانین کے مطابق بنانے کی مبارک آواز لے کر اٹھی تھیں۔ بانجھ پن کو دوسری شادی کے لئے وجہ جواز قرار دینے میں کس طرح قرآن سے ہٹ گئیں؟ قرآن نے ایک سے زیادہ شادی کے لئے صرف ایک ہی وجہ جواز بتائی ہے یعنی معاشرہ میں یتیموں اور بیواؤں کی ایسی کثرت ہو جائے کہ ان کے حقوق پورے کرنے کے لئے کوئی اور صورت باقی نہ رہے۔ اس کے علاوہ ہم جتنی اور وجوہات پیدا کریں گے۔ وہ خود ہمارے اپنے دماغ یا قلب کی پیدا کردہ ہونگی۔ خدا کی سند ان کے ساتھ نہیں ہوگی۔ لہٰذا اس مسودہ میں مجوزہ تبدیلی بھی اسی طرح غیر قرآنی رہے گی۔ جس طرح موجودہ قانون غیر قرآنی ہے۔

ضمناً اتنا بھی سمجھ لو کہ دو بیویوں سے "یکساں محبت" کا مطالبہ نفسیاتی ناممکنات میں سے ہے اور اسی لئے قرآن اسے ناممکن العمل قرار دیتا ہے۔ وہ صرف اس کا مطالبہ کرتا ہے کہ تم ایسا نہ کرو کہ ایک ہی بیوی کی طرف یکسر جھک جاؤ۔ اور دوسری بیوی ادھر لٹکی ہوئی رہ جائے فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (۴/۱۲۹)

لیکن اگر ہماری اس محترمہ بہن نے قرآن کی صحیح تعلیم کو نہیں سمجھا (کہ تعدد ازدواج کی اجازت صرف یتامیٰ اور بیوگان تک محدود ہے) تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ تعجب تو اس پر ہے کہ ہمارے ہاں کے "علماء" بھی اسی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ زیر نظر مسودہ پر بحث کرتے ہوئے امیر جماعت اسلامی، محترم امین احسن اصلاحی صاحب ازدواج کی مختلف صورتیں حسب ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

> (۱) بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے خاندان کے نظم کو سنبھالنے کے لئے مجبور ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرے۔ مثلاً ایسے بچوں کا باپ مر جاتا ہے جن کی ولدیت کی ذمہ داری اس پر عاید ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں بعض اوقات ناگزیر ہو جاتا ہے کہ مرد بچوں کی ماں کو اپنے حبالۂ عقد میں لے لے۔ کیونکہ بیوہ کے نکاح نہ کرنے میں بھی اندیشہ ہے اور کسی غیر جگہ نکاح کرنے میں بھی بچوں کے حقوق تلف ہونے اور ماں کی محبت سے محروم ہو جانے کا ڈر ہے۔
>
> (۲) اسی طرح بے شمار صورتیں ایسی بھی ہو سکتی ہیں کہ ایک شخص کا مقصد ازدواج ایک عورت سے پورا نہیں ہو رہا ہے۔ لیکن نہ تو وہ خود اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے تیار ہے۔ اور نہ اس کی بیوی ہی طلاق لینے کے لئے تیار ہے۔
>
> (۳) علیٰ ہذا القیاس اس کا بھی امکان ہے کہ ایک شخص ایک عورت سے پوری جنسی تسکین حاصل نہ کر پاتا ہو۔ اور وہ مزید کسی نکاح کی ضرورت محسوس کرے
>
> (۴) اجتماعی اور معاشرتی ضرورت کی مثالیں ہم اوپر انگلستان اور یورپ کے حالات سے پیش کر چکے ہیں (یعنی مردوں کی کمی)
>
> (۵) الغرض اس کی اتنی شکلیں ممکن ہیں۔ اور اس کے اتنے واضح اور غیر واضح اسباب ہو سکتے ہیں کہ قانون کے لئے ان سب کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔
>
> (ترجمان القرآن بابت اپریل ۱۹۵۵ء)

ان شکلوں میں سے علاوہ ۴ تو ایسی شقیں ہیں جو قرآن کی اجازت کے دائرے میں آسکتی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ باقی جس قدر شقیں بتائی گئی ہیں (اور جس قدر "ممکن شکلیں" بغیر بتائے چھوڑ دی گئی ہیں) ان کے لئے سند کیا ہے؟ یہ سوال طاہرہ بیٹی! دین کا اہم سوال ہے۔ جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ اگر قرآن تعدد ازدواج کو خود مشروط نہ کر دیتا۔ اور صرف اتنا کہہ دیتا کہ جب حالات کا تقاضا ہو تو تم چار تک نکاح کر سکتے ہو، تو ہمیں اس کی اجازت تھی کہ ہم اس اصول کے ماتحت سینکڑوں شکلیں متعین کر لیتے۔ اور ضروریات کے مطابق ان میں رد و بدل اور حک و اضافہ بھی کرتے رہتے۔ لیکن جب قرآن تعدد ازدواج کی اجازت کو (وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ) کی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا۔ تو ہمیں یہ حق کس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ ہم ایک شکل کے ساتھ سو شکلوں کا خود اضافہ کر لیں! اس میں شبہ نہیں کہ دین کی جزئیات متعین کرنے میں ہمیں اجتہاد کی اجازت ہے۔ لیکن یہ اجازت وہیں ہے۔ جہاں قرآن نے خود کسی بات کو متعین نہیں کر دیا۔ یہ بات ایک مثال سے

واضح ہو جائے گی۔ قرآن نے لحم خنزیر (سؤر کے گوشت) کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ ایک متعین حکم ہے۔ اب اگر ہم اس حکم کے بعد اس طرح قیاس (اجتہاد) شروع کر دیں کہ

(۱) سؤر کو اس لئے حرام قرار دیا گیا ہے کہ وہ غلاظت کھاتا ہے اور

(۲) بھیڑ بھی غلاظت کھاتی ہے۔ اور مرغی بھی، اس لئے

(۳) بھیڑ اور مرغی بھی حرام ہے۔

تو یہ اجتہاد نہیں بلکہ خدا کی متعین کردہ حرام اشیا کی فہرست میں اضافہ ہوگا۔ جس کا ہمیں کوئی اختیار نہیں۔ اگر قرآن صرف اتنا کہتا کہ "غلاظت کھانے والے جانور حرام ہیں" تو قرآنی نظام کو اس کی اجازت تھی کہ وہ ان جانوروں کی فہرست مرتب کرتا۔ اور نئی نئی باتیں سامنے آنے سے اس فہرست میں ضروری تبدیلیاں بھی کرتا رہتا۔ تعدد ازدواج کی اجازت قرآن نے صرف ایک شکل میں دی ہے ہم اس میں اور شکلوں کا اضافہ نہیں کر سکتے۔ البتہ اس شکل (یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ انصاف) کے پہلو مختلف ہو سکتے ہیں (مثلاً کہیں یہ صورت جنگ میں مردوں کے ضائع ہو جانے سے پیدا ہو گی۔ اور کہیں قوم میں پیدائشی طور پر لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہو گی۔ اس صورت میں یتامیٰ کے ذیل میں وہ تمام لڑکیاں آجائیں گی جو شادی کے قابل ہوں۔ لیکن انہیں خاوند نہ ملتے ہوں، کہیں یہ صورت کسی ایک خاندان میں رونما ہو گی، اور کہیں پوری کی پوری قوم کو محیط ہو جائے گی) ہم ان مختلف پہلوؤں کے متعلق تو اجتہاد سے کام لے سکتے ہیں (کہ کہاں قرآنی اجازت کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اور کہاں نہیں) لیکن قرآن کی بتائی ہوئی بنیادی شرط میں اضافہ نہیں کر سکتے۔ ہمارا اجتہاد اس بنیادی شرط سے ملتے جلتے حالات کے دائرے کے اندر محدود رہے گا۔ نئی شرائط کو اس دائرے کے اندر نہیں لا سکیگا ہمارے ہاں اصل خرابی یہ ہے کہ ہم قرآن کے مقید کو مطلق اور مقید کو مطلق کر لیتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ان الفاظ کو پڑھ کر تم پکار اٹھو گی کہ لو! چچا ابا نے پھر اسی "لاہوتی زبان" میں گفتگو شروع کر دی (تم لاہوتی زبان" کا طعن ایک دفعہ سلیم میاں نے دیا تھا۔ میں نے اسی کے الفاظ دہرا دیئے ہیں اس لئے کہ تم مقید و مطلق کے معنی اس سے پوچھو گی۔ اور وہ جھٹ سے اسے "لاہوتی زبان" کہہ دیگا) لیکن ریمارک پاس کرنے میں اتنی عجلت سے کام نہ لو، اگلا فقرہ تو دیکھ لو۔ مطلق کے معنی ہیں ایسا کھلا ہوا اصولی حکم جس کی جزئیات و شرائط قرآن نے خود متعین نہ کی ہوں۔ اور مقید کے معنی ہیں ایسا حکم جسے متعین طور پر بیان کر دیا گیا ہو۔ قرآن نے تعدد ازدواج کی اجازت کو "یتامیٰ" کی شرط کے ساتھ مقید کیا تھا۔ لیکن ہم نے قرآن کی عائد کردہ قید کو اٹھا کر اس حکم کو مطلق بنا دیا۔ یعنی اسے افراد کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ کہ جس وقت کوئی اپنے لئے ضرورت سمجھے دوسری شادی کر لے۔ اسے کہتے ہیں قرآن کے مقید کو مطلق بنا دینا۔ اور یہ ہے ہمارے ہاں کی بنیادی خرابی (میں نے تمہیں سمجھانے کی خاطر مطلق اور مقید کا عمومی مفہوم بیان کیا ہے۔ ورنہ یہ فقہ کی خاص اصطلاحات ہیں۔ جن کی تفصیل لمبی چوڑی ہے)

اب میں تمہارے خط کے اس حصہ کی طرف آتا ہوں جس میں تم نے لکھا ہے کہ رسول اللہ اور صحابہؓ کے ہاں بھی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔ اس ضمن میں اس اصولی بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ نبی اکرمؐ قرآن پر عمل کرنے اور عمل کرانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ لہٰذا ہم ایک ثانیہ کے لئے بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے کہ حضورؐ کا کوئی عمل یا ارشاد (معاذ اللہ) قرآن کے خلاف ہو گا اگر ہمیں تاریخ میں کہیں کوئی بات ایسی ملتی ہے تو ہمیں بلا تامل کہہ دینا ہوگا۔ یہ غلط ہے۔ عام طور پر تاریخ میں یہی ملتا ہے کہ رسول اللہؐ کی نو ازدواج مطہرات تھیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نو کی تعداد مجموعی تھی (یعنی یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے کل تعداد نو تک پہونچی تھی) لیکن ایک وقت میں حضورؐ کی بیوی ایک ہی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ قرآن کے مندرجہ بالا حکم کے مطابق حضورؐ کی ازواج مطہرات ایک وقت میں چار سے زیادہ نہ تھیں۔ لیکن اگر یہ درست ہو کہ بیک وقت حضورؐ کی ازواج مطہرات کی تعداد نو تھی، تو اسے ماننا پڑے گا کہ یہ شادیاں قرآن کے حکم آنے سے پہلے، عرب کی عام معاشرت کے مطابق ہوئی ہوں گی، اس قسم کی ایک اور مثال ہمارے سامنے ہے۔ قرآن میں حکم ہے کہ مسلمان عورت کی شادی غیر مسلم کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ لیکن حضورؐ نے اپنی بیٹیوں کی شادیاں اپنے خاندان کے ان لڑکوں کے ساتھ کی تھیں، جو مسلمان نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ شادیاں قرآن کا حکم آنے سے پہلے عرب کی عام معاشرت کے مطابق عمل میں آئی تھیں، قرآن کا حکم آ جانے کے بعد حضورؐ کبھی ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے۔ اسی طرح اگر یہ درست ہو کہ حضورؐ کی ازواج مطہرات کی تعداد بیک وقت نو تھی۔ تو یہ چیز قرآن کا حکم آنے سے پہلے کی ہو سکتی ہے۔ بعید نہیں کہا جاتا ہے کہ قرآن کا یہ حکم فتح مکہ کے قریب سنہ ۸ھ میں نازل ہوا تھا۔ اور حضورؐ کا آخری نکاح سنہ ۷ھ میں ہوا تھا۔ اس ضمن میں عزیزہ! اس زمانہ کے حالات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ

(۱) مسلمانوں کا ایک مختصر سا معاشرہ تھا۔

(۲) اس جماعت کی پوری زندگی مسلسل لڑائیوں میں بسر ہو رہی تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضورؐ کی دس سالہ مدنی زندگی میں مسلمانوں کو چھوٹی بڑی اسّی لڑائیاں لڑنی پڑی تھیں۔

(۳) قرآنی حکم کے مطابق ایک مسلمان عورت کی شادی صرف مسلمان مرد سے ہو سکتی تھی۔ کافر و مشرک تو ایک طرف اس کی شادی کسی اہل کتاب کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

ان حالات میں ظاہر ہے کہ وہ مسئلہ جسے قرآن نے "یتامیٰ" سے تعبیر کیا ہے (یعنی ان بچوں کا مسئلہ جن کے باپ مارے گئے ہوں اور ان عورتوں کا مسئلہ جو بلا خاوند کے رہ گئی ہوں)، بڑی نزاکت اختیار کر گیا ہو گا۔ اس نازک حالت کا مقابلہ کرنے کے لئے قرآن نے تعدد ازدواج کا ہنگامی علاج تجویز کیا تھا۔ لہٰذا قرآن کے اس حکم کے بعد جہاں جہاں بھی ایک سے زیادہ نکاح ہوا ہو گا۔ وہ اسی ہنگامی ضرورت کے ماتحت ہوا ہو گا۔ جن مقاصد کو ہم آج دوسری شادی کے لئے وجہ جواز بناتے ہیں اس زمانہ میں ان کی بنا پر دوسری شادیاں نہیں ہوئی ہوں گی مثلاً ہمارے ہاں عام طور پر عورت کے بانجھ پن کو دوسری شادی کے لئے ایسی معقول وجہ سمجھا جاتا ہے کہ اس پر شاید ہی کوئی معترض ہوتا ہو۔ نبی اکرمؐ کے متعلق یہ واضح ہے کہ حضورؐ کی تمام اولاد (سوائے ایک لڑکے ابراہیم کے) حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد آپ نے جو شادیاں کیں۔ ان میں آپ کی ازواج مطہرات (ایک کے سوا) سب بانجھ تھیں۔ لیکن مجھے طاہرہ پوری تاریخ میں کوئی ثبوت ایسا نہیں ملا جس میں حضورؐ نے یہ کہا ہو کہ چونکہ میری فلاں بیوی کے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ اس لئے میں ایک اور شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ حقیقت خود اس امر کی شاہد ہے کہ حضورؐ کے زمانہ میں ایک سے زیادہ بیوی صرف ان ہنگامی حالات کی وجہ سے گھروں میں لائی جاتی تھیں۔ جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ان ہنگامی حالات کی شادیوں کو عام حالات میں (ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کے لئے) بطور سند پیش کرنا بڑی زیادتی ہے۔

یہ ہے عزیزہ! قرآن کی رو سے ایک سے زیادہ بیویوں کی اصل پوزیشن۔ لیکن اس کے برعکس ہمارے ہاں کے مروجہ مذہب میں ہر مرد کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اپنے حالات کی رو سے جب بھی ضروری سمجھے، دوسری، تیسری، چوتھی شادی کر لے۔ ان حالات میں دوسری شادی کرنے والے کو موردِ ملامت بنانا غلط ہے۔ اس لئے جب کسی شخص کو یہ بتایا جاتا ہے کہ جس طرح مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسے اس کی اجازت ہے کہ وہ چاہے تو دال سبزی کھائے اور چاہے گوشت کھائے۔ اسی طرح اسے اس کی بھی اجازت ہے کہ وہ چاہے تو ایک بیوی پر اکتفا کرے اور چاہے تو چار تک شادیاں کرے۔ تو دوسری شادی کرنے میں وہ کوئی جھجک ہی محسوس نہیں کرے گا اس لئے اپنے آپ کو قابلِ ملامت نہیں سمجھے گا ان حالات کے ماتحت عزیز بیٹی! اس مرض کا علاج وعظ و تلقین اور مظاہرات نہیں ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ تعدد ازدواج کے متعلق مسلمانوں کے موجودہ غیر قرآنی تصور کو قرآن کے مطابق بدلا جائے۔ لیکن یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم قرآن کو دین کی اساس سمجھیں۔ میری ساری عمر اسی ایک کوشش میں گذری ہے کہ میں اپنے بھائیوں تک اس حقیقت کو پہنچا سکوں اور میں انہیں بتا سکوں کہ دین اللہ کی طرف سے ملا تھا اور اس کی طرف سے دیا ہوا آخری اور مکمل دین اس کی کتاب (قرآن) کے اندر ہے۔ جس دن مسلمان نے اس حقیقت کو سمجھ لیا۔ اس کے تمام امراض کا علاج ہو جائے گا۔ تم بھی بیٹی اپنے حلقہ اثر میں اس آواز کو پہنچاتی جاؤ۔ اور اگر کہیں وہاں تک یہ آواز نہ پہنچا سکو تو کم از کم جاوید میاں (سلمہ اللہ تعالیٰ) کے دل کی گہرائیوں میں تو اسے ضرور نقش کر دو۔ تاکہ ہماری آنے والی نسلیں اس تصور کو لے کر اٹھیں۔ اور آگے بڑھائیں۔ اگر تم نے یہ کر دیا تو میرے نالۂ نیم شبی اور دعائے سحری کا حق ادا کر دیا۔ اللہ تمہاری آنکھوں کو ہمیشہ ٹھنڈا رکھے۔

دعا گو

پرویز۔ ۴ مئی ۱۹۵۵ء

معراج انسانیت

از: پرویز

سیرت رسول اللہ قرآن کے آئینہ میں

قیمت: بیس روپے

حقائق وعبر

موجودہ تہذیب کا نوع انسان پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اسے ان تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا ہے۔ جو باہمی ہمدردی، محبت، اخوت، غمخواری کے جذبات کے تقاضوں نے ایک دوسرے پر عاید ہوا کرتی تھیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف اقبال نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

چنانچہ ہمارے معاشرہ میں آلات کی اس چکی میں قریب قریب سب پس چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جو لوگ ذرا زیادہ "سخت جان" واقع ہوئے تھے۔ اور ان کا احساس مروت آلات کی چکیوں سے بچ نکلا تھا۔ وہ اب اور قسم کی معاشرتی رتھ کے پہیوں کے نیچے کچلے جا رہے ہیں۔ جن سے ان کے اس احساس کا زندہ رہ جانا ناممکنات میں سے نظر آتا ہے۔ مثلاً باہمی تعاون کی یہ ایک ادنیٰ سی مثال ہوا کرتی تھی کہ آپ نے کسی سے روپے کا نوٹ یا دس روپے کے چھوٹے نوٹ مانگ لئے۔ لیکن اب کیا ہوتا ہے؟ آپ سڑک پر چلے جا رہے ہیں کہ آپ کے نزدیک ایک موٹر آکر رکتا ہے۔ موٹر میں سے ایک نہایت "شریف آدمی" برآمد ہوتا ہے۔ اور ہاتھ میں ایک نوٹ لئے آپ کی طرف بڑھتا ہے۔ بڑھتا ہے۔ اور نہایت لجاجت سے کہتا ہے۔ "چھوٹے نوٹ"! آپ کا احساس مروت اس ادنےٰ سے تعاون کے لئے آپ کو رکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ آپ جیب سے بٹوہ نکالتے ہیں، اتنے میں وہ آپ کے قریب آجاتا ہے وہ بڑا نوٹ آپ کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ چھوٹے نوٹ نہایت پھرتی سے اُلٹا پلٹتا ہے اور تیزی سے موٹر میں جا بیٹھتا ہے۔ موٹر فراٹے بھرتی آگے نکل جاتی ہے۔ اور جب آپ اپنے بٹوے کو دیکھتے ہیں۔ تو اس میں سے پچاس روپے کے نوٹ گم ہوتے ہیں۔

کیا آپ اس کے بعد بھی کسی کے بڑے نوٹ کے بدلے میں چھوٹے نوٹ دینے کے لئے تعاون کا ہاتھ بڑھائیں گے؟

یا مثلاً آپ بازار میں جا رہے ہیں چوراہے پر دو آدمی آپس میں دھینگا مشتی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں ایک زیادہ طاقتور ہے جو کمزور آدمی کو دھائیں دھائیں پیٹتا چلا جاتا ہے۔ وہ کمزور آدمی مدد کے لئے چلاتا ہے۔ آپ کا تقاضائے ہمدردی آپ کو آگے بڑھاتا ہے آپ جا کر بیچ بچاؤ کر دیتے ہیں۔ وہ دونوں ایک طرف چلے جاتے ہیں۔ اور آپ اطمینان کا سانس لے کر دوسری طرف، لیکن چند ہی قدم کے بعد آپ دیکھتے ہیں کہ جیب سے آپ کا بٹوہ غائب ہے۔

کیا آپ اس کے بعد پھر بھی کسی مظلوم کی مدد کے لئے آگے بڑھیں گے؟

یا مثلاً آپ کہیں جا رہے ہیں کہ سامنے سے ایک نہایت معزز آدمی آپ کو دور سے دیکھ کر ہشاش بشاش ہو جاتا ہے اور ہاتھ بڑھاتا ہوا آپ کی طرف لپکتا ہے۔ آپ اسے پہچانتے نہیں لیکن دل میں خیال کرتے ہیں کہ کوئی بہت ہی قدیمی ملنے والا ہے جسے آپ جلدی میں پہچان نہیں سکے۔ اتنے میں وہ آپ کے قریب آجاتا ہے۔ مصافحہ کرتا ہے۔ اور نہایت تپاک سے گلے ملتا ہے، بعد میں خود ہی معذرت کرتا ہے کہ معاف رکھئے! غلط فہمی ہو گئی۔ (جیسے ٹیلیفون پر آواز آیا کرتی ہے (SORRY WRONG NUMBER) آپ نہایت محبت اور سادگی سے جواب دیتے ہیں کہ کوئی بات نہیں۔ وہ دوسری طرف چلا جاتا ہے اور جب تھوڑی دور آگے جا کر آپ دکاندار کو پیسے دینے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو جیب خالی پاتے ہیں۔

کیا آپ اس کے بعد عید کے دن بھی کسی سے گلے ملئے گا؟

یہ اور اس قسم کے اور واقعات ہیں۔ جنھیں مثال میں پیش کر کے محکمہ پولیس آئے دن اس قسم کی تنبیہات شائع کرتا رہتا ہے کہ اس قسم کی فریب کاریوں سے ہوشیار رہنا۔

کہئے! معاشرے کے اس جھکڑ کے بعد بیچارے احساسات مروت وغمخواری کا کہیں ڈھونڈے سے بھی نشان ملے گا؟

اس کی وجہ ——— وہی معاشی ناہمواریاں اور غلط تعلیم وتربیت!!

اور اس کا علاج ——— وہی آب نشاط انگیز۔ یعنی قرآن کا دیا ہوا نظام ربوبیت!!

———※———

(۲)

وزیر اعظم صاحب کی نئی شادی نے ملک میں وحدت وتعدد ازدواج کی جو حسین وسادہ ورنگین بحث چھیڑ رکھی ہے اس میں مولوی صاحبان اس بات کے ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ مرد چار بیویاں کرنے تک بالکل بے مہار ہے۔ اور اس کے اس حق شرعی پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنا مداخلت فی الدین کے مرادف ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی طرف سے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ ان میں بعض بڑے دلچسپ ہوتے ہیں مثلاً بیگمات کے احتجاج پر ناک بھوں چڑھاتے ہوئے ایک صاحب تسنیم میں شائع شدہ ایک خط میں فرماتے ہیں۔

"ہمارے نزدیک اس تمام ہنگامے کے پیچھے عیاشی کا تصور کام کر رہا ہے۔ یہ عورتیں چاہتی ہیں کہ اپنے شوہروں کی دولت پر بلا شرکت غیرے تصرف کریں۔ اور ان کے عیش وعشرت میں کسی طرف سے کوئی مداخلت کرنے والا نہ ہو۔"

(تسنیم۔ لاہور۔ ۳۰ اپریل)

ہمیں امید ہے کہ جماعت اسلامی کے اراکین میں سے جن کے پاس ابھی تک صرف ایک ایک بیوی ہے وہ اپنی رفیقۂ حیات کو خدا اور رسول کے اس حکم کی تلقین ضرور کر رہے ہونگے کہ اس طرح پورے گھر کی واحد مالک بن کر رہنا۔ اور کسی دوسری عورت کو اپنے "عیش وعشرت" میں شریک نہ ہونے دینا۔ خلاف مسلک صالحیت ہے۔ اور اقامت دین کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خود جا کر کم از کم تین تین عورتیں اور تلاش کر کے لائیں۔ اور اس طرح خدا کے حضور ثابت کر دیں کہ ان کے دل "عیاشی کے تصور" سے یکسر خالی ہیں۔

پناہ بخدا! جہالت انسان کو کہاں تک پہنچا دیتی ہے! اور پھر وہ جہالت جسے "رموز دین" سمجھ لیا جائے۔

مودودی صاحب کی رہائی!

اخبارات کو سرسری نظر سے پڑھنے والے بھی اس سوال کا جواب آسانی سے دیدیں گے کہ مولانا مودودی صاحب کی رہائی کیسے عمل میں آئی۔ اگر آپ اخبارات پڑھتے ہیں تو آپ کو اس کا جواب معلوم ہوگا یا آپ سمجھیں گے کہ آپ اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں۔ لیکن آپ زحمت نہ کیجئے۔ اس کا جواب خود جماعت اسلامی نے مہیا کر دیا ہے، سنئے۔

اخبار "تسنیم" لاہور لکھتا ہے۔ "یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے ان حکمرانوں کی مرضی کے علی الرغم ایک دوسرا سبب ایسا پیدا کر دیا۔ جس کی بنا پر ان لوگوں کی ضمانت پر رہائی عمل میں آگئی ہے۔"

آپ پوچھنا چاہتے ہوں گے کہ یہ "دوسرا سبب" جسے "اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان" بتایا جا رہا ہے کیا ہے۔ اس کی تفصیل بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:

"پچھلے دو سال کے عرصہ میں مختلف حالات سے گذرتا ہوا آج پاکستان جس مقام پر کھڑا ہے۔ اس کی نزاکت کا ہر شخص کو احساس ہے۔ ایک طرف اس کے تمام مسائل حل طلب ہیں۔ اور دوسری طرف وہ نئی نئی پیچیدگیوں سے دوچار ہو چکا ہے۔ پاکستان کی یہ حالت ان لوگوں کی نظر عنایت کا نتیجہ ہے جن کے ہاتھ میں اس سارے عرصہ میں پاکستان کی باگ ڈور رہی ہے۔"

اب اس کے صغریٰ کبریٰ کو ملایئے۔ پاکستان کی حالت نازک ہے۔ اور وہ نئی نئی پیچیدگیوں سے دوچار ہوتا جا رہا ہے۔ یہ ان لوگوں کی وجہ سے ہے جن کے ہاتھ میں اس کی باگ ڈور ہے یہ پیچیدگیاں جو حکمرانوں کی نظر عنایت کا نتیجہ ہیں "اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان" ہیں۔ کیونکہ ان کی بنا پر مولانا مودودی صاحب کی رہائی عمل میں آئی۔ کچھ سمجھے آپ؟ نہ سمجھے ہوں تو اللہ سے غالب کے الفاظ میں اور "دل" مانگئے۔ ان حضرات کو تو اور "زبان" ملنے سے رہی۔

اقبال پر اپنی قسم کی پہلی کتاب

اقبال اور قرآن

قیمت دو روپے (پرویز)

عالمِ اسلامی

عالم اسلامی پر سرسری سی نگاہ ڈالنے سے ہی یہ حقیقت نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہے کہ اس میں بیک وقت دو متضاد عوامل کار فرما ہیں۔ ایک طرف تشتت و افتراق ہے دوسری طرف اتحاد و یگانگت، یہ دونوں عوامل قابل فہم ہیں۔ اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ مسلمان ہونے کے اعتبار سے ممالک اسلامیہ میں گہرا قلبی رشتہ پایا جاتا ہے۔ لیکن اس رشتہ اخوت کو عملی سیاست کا نقطہ ماسکہ نہیں بنایا جا سکا۔ اس کے برعکس جوں جوں مسلمان ممالک غیر کی غلامی سے آزاد ہوتے جاتے ہیں، وہ آزادانہ طور پر ایک دوسرے کے قریب ہونے کی بجائے باہم متصادم ہوتے جاتے ہیں، دوران کے بدخواہ اس رقابت سے فائدہ اٹھا کر ان کے اختلافات سطحی کو کوشش اور محنت سے ابھار ابھار کر انھیں ایک دوسرے کا دشمن بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔

اتحاد کی کوششوں میں پیش پیش ترکی اور پاکستان ہیں اور ان کے مقابل میں مصر اور افغانستان ہیں۔ اول الذکر گروہ کا اثر بڑھتا جا رہا ہے اور اب یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب وہ عالم اسلامی کو ایک رشتہ وحدت میں منسلک کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ بنڈونگ کانفرنس کو بتا دیا ہے کہ باوصف اختلافات ظاہری ترکی اور پاکستان اس کے دلی خواہ ہیں۔ اور ہندوستان کے مقاصد اتنے دوستانہ نہیں ہیں، جتنے وہ زبان و قلم سے جتاتا ہے۔ چنانچہ ایک حد تک کہا جا رہا ہے کہ مصر کے خیالات میں تبدیلی آچکی ہے۔ اور اس کا عملی نتیجہ زود یا بدیر نکلے گا۔ مصر اب تک زیادہ سے زیادہ شام اور سعودی عربیہ کو اپنے ساتھ ملا سکا تھا۔ جہاں تک شام کا تعلق ہے، جس معاہدہ کے لئے کوشش ہو رہی تھی، وہ ہنوز تکمیل تک نہیں پہنچا تھا کہ اس مسئلے پر شام میں صورت حال مخدوش ہو گئی۔ اب شام میں دو گروہ پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک مصر سے تعاون کا متمنی ہے۔ اور دوسرا پاکستان اور ترکی کا ساتھ دینا چاہتا ہے۔ شامی سیاست کا نقشہ بڑا عجیب ہے، وہ برسوں کے بعد کئی فوجی آمریتوں کا شکار رہتا ہوا گزشتہ سال بڑی مشکل سے انتخابات عامہ کرا سکا تھا لیکن اس کے ہاں سیاسی افراتفری مچی رہی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انتخابات سے بھی کوئی مستحکم حکومت قائم نہیں ہو سکی۔ اب ملک میں ایسے اختلافات ابھر آئے ہیں کہ پھر سے فوجی 'انقلاب' کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

انہی دنوں شام کے اسسٹنٹ آرمی چیف آف اسٹاف کرنل عدنان مالکی کو پراسرار طریق سے قتل کر دیا گیا۔ فوج مصر ہے کہ حکومت متعلقہ قوانین میں مناسب رد و بدل کر کے قتل کے مجرموں کو فوراً سزا دے۔ صدر عطاسی اس ترمیم کو خلاف آئین سمجھتے ہوئے اس کی منظوری کے حق میں نہیں۔ شام کے موجودہ قانون کی رو سے صورت یہ ہے کہ اگر اس کا صدر اس قانون کی منظوری دس دن کے اندر اندر نہ دے تو اس کے بعد یہ قانون از خود منظور شدہ تصور کیا جائے گا اگر صدر اسے مسترد کرنا چاہے تو از خود نہیں کر سکتا بلکہ اسے عدالت کے پاس بھیجکر یہ فیصلہ لینا ہوگا کہ وہ خلاف آئین ہے یہ قانون منظور ہو سکیگا یا نہیں۔ یہ الگ بات ہے لیکن حکومت اور فوج کے درمیان رسہ کشی شروع ہو گئی ہے۔ اور فوج کا دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ فوجی عنصر مصر کا مؤید ہے۔ وہ کامیاب ہو گیا تو ملک میں فوجی آمریت تو از سر نو قائم ہو جائے گی۔ لیکن استحکام کی کوئی شکل پیدا نہیں ہوگی۔ یہ صورت حال مصر کے . . . نہیں ہو سکتی کیونکہ ایسی حکومت مضبوط معاہدے کرنے اور ان پر عمل درآمد کی ضامن نہیں ہو سکتی۔ اگر اس کے برعکس یہ فوجی عنصر کامیاب نہ ہو سکا تو ملک میں پاکستان اور ترکی کے معاہدے کے حق میں فضا سازگار تر ہو جائے گی۔ صورت کچھ بھی ہو حقیقت یہ ہے کہ جب تک فوج عملی سیاست میں دخیل رہے گی ملک استحکام و توازن سے محروم رہے گا۔ لہذا ایک طرف یہ ضروری ہے کہ فوج سیاست سے علیحدہ رہے۔ اور دوسری طرف یہ کہ شام ہمسایہ ممالک سے معاہدے کرکے بیرونی خطرات کی طرف سے زیادہ سے زیادہ مصئون و مطمئن ہو جائے۔

مختلف اسلامی ممالک میں باہمی اتحاد کی جو کوششیں ہو رہی ہیں ان کا مرکز ان دنوں بہت حد تک پاکستان ہے۔ پاکستان میں سعودی عربیہ کے وزیر خارجہ اور سوڈان کے وزیر اعظم تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اول الذکر کا پاکستان آنا اس لحاظ سے اہم ہے کہ آئندہ حج کے موقعہ پر ممالک اسلامیہ کے نمائندوں کی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ اس کانفرنس کے انعقاد و اہتمام میں مصر، سعودی عربیہ اور پاکستان پیش پیش ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کا آپس میں ملنا بہت سی غلط فہمیوں کے ازالہ کا باعث ہو سکتا ہے۔ اور انھیں قریب تر کر سکتا ہے۔

وزیر اعظم سوڈان کا پاکستان آنا کم خوش آئند نہیں، یہ نیا آزاد ملک ہے۔ گو اسے ابھی اپنے مستقبل کا آخری فیصلہ کرنا ہے لیکن اس کے آزاد ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اس نئی پیدا ہونے والی مملکت کے قائدین نئی ذمہ داریوں کا مناسب احساس رکھتے ہیں، چنانچہ وزیر اعظم سوڈان الازہری خصوصیت سے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ پاکستان سے وہ کس قسم کی معاشی امداد لے سکتے ہیں، تاکہ وہ اپنے ملک کو معاشی ترقی کی راہ پر لے آئیں۔ یہ افسوس کا مقام ہے کہ مصر کے قائدین کی باہمی رقابتوں نے سوڈان کو مصر سے الحاق کرنے سے بہت حد تک روک دیا ہے اور وہ مصر سے علیحدگی کی سوچ رہا ہے۔ اگر اس علیحدگی کے بعد اس کا مصر اور دیگر ممالک اسلامیہ سے تعاون رہے تو اس صورت پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

افغانستان پاکستان کی دشمنی میں اندھا ہو گیا ہے۔ اور اس سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ پاکستان کو جلال آباد اور قندھار میں اپنے قونصل خانے بند کرنے پڑے ہیں اور افغانستان کو کہنا پڑا ہے کہ وہ پشاور، کوئٹہ، چمن اور پاراچنار میں اپنے قونصل خانے اور تجارتی مراکز بند کر دے۔ افغانستان نتائج و عواقب سے بے پرواہ ہو کر بڑا خطرناک کھیل کھیل رہا ہے۔ اس کے لندنی سفیر نجیب اللہ نے کہا ہے کہ اگر پاکستان اور افغانستان میں لڑائی ہوئی تو اس میں روس بھی شریک ہو جائیگا۔ اس کے سفیر متعینہ پاکستان نے کہا ہے کہ اگر پاکستان نے تجارتی مراعات واپس لے لیں۔ تو افغانستان روس کے ذریعہ دنیا سے تجارت کریگا۔ انھوں نے کہنے کو تو یہ کہدیا۔ لیکن وہ اس کے ممکنات کو نہیں سمجھ سکے۔ وہ روس کا دروازہ کھلا دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ جو اس دروازے میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ نکل نہیں سکتا۔ گو افغانستان نے پاکستان کے خلاف بڑی اشتعال انگیزی سے کام لیا ہے۔ اور اس کا اسے پورا پورا جواب دینا چاہیئے۔ لیکن مسلم ممالک کو اس کے ساتھ ہی یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ کہیں اس بیوقوف مسلمان ملک کو روس نگل ہی نہ جائے۔ افغانستان اور پاکستان کے اس مناقشہ میں اس وقت تک جو حالات رونما ہوئے ہیں۔ ان سے ظاہر ہے۔ کہ اس باب میں افغانستان نے صریحاً زیادتی کی ہے اور وہ اس زیادتی پر اڑا ہوا ہے۔ اگر اس نے اپنی اس حماقت کو طول دیا اور مجبوراً نوبت لڑائی تک پہونچ گئی تو شکست اور فتح کسی کی ہو۔ نقصان تو بہر حال مسلمانوں ہی کا ہوگا۔ پاکستان کے مسلمانوں کا ہوا تو کیا۔ اور افغانستان کے مسلمانوں کا ہوا تو کیا۔ ان حالات میں دیگر اسلامی ممالک پر یہ فریضہ عاید ہوتا ہے کہ وہ ہمارے اس غلط رو بھائی کو سمجھائیں کہ وہ غیر کی باتوں میں آکر کس بھول میں پڑ گیا ہے اس باب میں ہمارے پاس قرآن کی راہ نمائی بڑی واضح الفاظ میں ہے، جس کا ارشاد ہے کہ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا۔ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تمہیں چاہیئے کہ ان میں صلح کرا دو۔ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ پھر اگر ان میں ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرے اس کے خلاف تم جنگ کرو۔ تاآنکہ وہ خدا کے حکم کی طرف (کہ آپس میں صلح سے رہو) لوٹ آئے۔ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (۴۹) سو اگر زیادتی کرنے والا خدا کے حکم کی طرف آجائے تو پھر ان میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو۔ اور ان میں انصاف کرو، بے شک انصاف کرنے والوں کو خدا دوست رکھتا ہے۔

اسلام کا نظام معاشرت کیا ہے؟ اور وہ کیسے متشکل ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب

نظامِ ربوبیت

میں ملاحظہ کیجئے۔

بین الاقوامی جائزہ

مغربی جرمنی دس سال کے بعد آزاد ہو گیا ہے۔ اب وہ قدم قدم مسلح ہو گا اور ۱۲ ڈویژن فوج اقوام مغرب کے سپرد کرے گا عالمی سیاست کا یہ اہم موڑ ہے۔ اور اس سے مشرق و مغرب کی کشمکش ایک نئے دور میں داخل ہو گئی ہے۔ روس نے ان معاہدات پیرس کو ناکام بنانے میں بڑا زور لگایا، جن کی رو سے مغربی جرمنی آزاد ہوا ہے۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے بالآخر غصے میں آ کر برطانیہ اور فرانس سے وہ معاہدات منسوخ کر دیئے ہیں، جو جنگ کے دوران طے پائے تھے۔ اور جنھیں بیس سال تک نافذ العمل رہنا تھا۔

اس غصے کے باوجود روس نے اقوام مغرب سے مذاکرات کا دروازہ بند نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس نے مغربی جرمنی کو ایک نیا چکر دیا ہے۔ پچھلے دنوں اس نے آسٹریا کے چانسلر کو ماسکو میں بلایا۔ اور معاہدہ امن کے لئے رضامندی کا اظہار کیا۔ چنانچہ ان دنوں وی آنا میں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور روس کے مقامی سفیروں اور آسٹریا کے نمائندوں کی کانفرنس معاہدہ کی تفصیلات طے کرنے میں مصروف ہے۔ روس نے ماسکو میں آسٹریا سے یہ وعدہ لے لیا ہے کہ وہ معاہدہ امن کے بعد غیر جانبدار رہے گا۔ اس حد تک سے مطمئن ہو کر وہ بڑی مصالحت جوئی کا ثبوت دے رہا ہے۔ یہ دراصل جرمنی کے لئے ہی کیا جا رہا ہے۔ جرمنوں میں وحدت کا شدید جذبہ پایا جاتا ہے۔ روس وحدت کا سراب دکھا کر مغربی جرمنی کو مسلح ہونے سے روکنا چاہتا ہے۔ چنانچہ کوئی عجب نہیں کہ آسٹریا کے چانسلر کی طرح وہ مغربی جرمنی کے چانسلر کو بھی ماسکو بلائے مغربی جرمنی کے ڈاکٹر ایڈینار پوری طرح اقوام مغرب کے ساتھ ہیں۔ اور بظاہر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے لیکن وحدت کی امید میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

روس نے اگر ایک طرف مغربی جرمنی کے سامنے آسٹریا کی مثال پیش کی ہے۔ تو دوسری طرف اقوام مغرب کو بھی اپنی امن پسندی کا فریب دیا ہے۔ اس سے برطانیہ میں پھر سے یہ تحریک شروع ہو گئی ہے کہ دول اربعہ کی اعلیٰ ترین کانفرنس منعقد کی جائے۔ اب اس کے نقیب نئے وزیر اعظم سر انتھونی ایڈن ہیں۔ وہ اس پر ایک تو اس لئے زور دے رہے ہیں کہ اس تجویز کو چرچل نے پیش کیا تھا۔ دوسرے اس لئے کہ اس ماہ کے آخر میں انگلستان میں انتخابات ہو رہے ہیں۔ نئے وزیر اعظم مخالفین کو خاموش کرنے کے لئے یہ حربہ استعمال کر رہے ہیں۔ امریکہ ایسی کانفرنس کے حق میں نہیں۔ وہ اس تک درجہ بدرجہ پہنچنا چاہتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ آسٹریا سے متعلق جو کانفرنس ہو رہی ہے وہ کامیاب ہو تو دول اربعہ کے وزرائے خارجہ آپس میں مل بیٹھیں۔ اور اس کے بعد ضرورت ہو تو رئیسان مملکت ملاقات کریں۔ چنانچہ ان اختلافات کو رفع کرنے کے لئے پیرس میں امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس شروع ہو گئی ہے۔

مغرب میں روس نے پرامن مساعی کی طرح ڈالی ہوئی ہے تو مشرق میں چین بھی ہاتھ روکے ہوئے ہے۔ وہ بندونگ کانفرنس میں اپنی امن پسندی کا اس قدر ڈھنڈورہ پیٹ چکا ہے کہ عام خیال یہی ہے کہ اس کے لئے جنگ شروع کرنا آسان نہیں ہو گا۔ لیکن ابھی تک فارموسا سے متعلق بات آگے نہیں بڑھی۔ البتہ ہندوستان کو یہ پریشانی لاحق ہو گئی ہے کہ شاید فارموسا کا معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے بندونگ میں چو۔ این لائی نے اس تصفیہ کے متعلق وزیر اعظم پاکستان سے بات کی اور انھوں نے ہی چو این لائی کی تجویز کو امریکی حکومت کی طرف بھیجا۔ پاکستان کے علاوہ اور قوتوں نے بھی اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لینے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ گو پاکستان نے صاف طور پر اعلان کر دیا ہے کہ وہ ثالث کا کردار ادا نہیں کرے گا۔ لیکن ہندوستان کو یہ فکر دامنگیر ہو رہی ہے کہ معاملہ ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔ چنانچہ پنڈت نہرو کے مشیر خاص کرشنا مینن چین جا رہے ہیں۔ وہ چو این لائی سے مل کر پھر سے معاملہ اپنے ہاتھ میں لیں گے۔ تا کہ کوئی اور ملک آگے نہ بڑھ جائے۔

ہند چینی میں پھر سے بدامنی پیدا ہو گئی ہے۔ یہ بدامنی جنوبی ویٹ نام یعنی غیر اشتراکی علاقے میں ہے۔ اس حصہ ملک کے بادشاہ باؤ دائی ملک سے باہر ہیں۔ وہاں کے مذہبی فرقوں نے وزیر اعظم کے خلاف بغاوت کر رکھی ہے۔ وہاں ایسی صورت حال پیدا ہو گئی ہے کہ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ کون کدھر ہے۔ وزیر اعظم نے شاہ کو معزول کرنے کے بعد ان سے وفاداری کا اظہار بھی کیا ہے۔ وہاں صورت حال صبح و شام بدلتی ہے۔ اس کا ایک افسوسناک پہلو تو یہ ہے کہ اگر خانہ جنگی کی یہی صورت رہی تو آئندہ سال جب جنوبی اور شمالی ویٹ نام میں مشترکہ انتخابات ہوں گے تو اشتراکیت کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس سے فرانس اور امریکہ میں اختلافات نمودار ہو گئے ہیں۔ فرانس کی ہمدردی باغی مذہبی فرقوں کے ساتھ ہے۔ اور امریکہ کی جدید تربیت یافتہ وزیر اعظم کے ساتھ۔

اس سے سیٹو کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ چنانچہ بندونگ کے فوراً بعد آٹھ معاہد اقوام کے ۸۶ عسکری ماہرین نے باگیو (فلپائن) کے مقام پر ایک خفیہ کانفرنس کی۔ یہ کانفرنس ختم ہو چکی ہے۔ لیکن اس کا کوئی اعلامیہ شائع نہیں ہوا ہے۔ باخبر حلقوں کی اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ ناٹو کے طرز کی فوجی تنظیم کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک وجہ اختلاف یہ رہی کہ امریکہ اور برطانیہ کا خیال تھا کہ معاہدہ اقوام سے ان کے براہ راست جو فوجی معاہدے ہیں۔ اسی کے مطابق ان کو مدد دی جائے۔ اس کے برعکس پاکستان، فلپائن، تھائی لینڈ وغیرہ نے اصرار کیا کہ وہ دونوں انکی فوجوں کو سامان حرب بھی دیں۔ اور ان کی **

**تربیت بھی کریں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بالآخر فیصلہ کیا ہوا۔ لیکن اتنا یقین ہے کہ تعطل ختم ہو گیا ہے۔ اب ۶ر جون کو فوجی مشیروں کی کانفرنس ہو گی۔ جس میں ان تجاویز کی تفاصیل طے ہونگی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ناٹو کی طرح کی تنظیم پیش نظر ہے۔ اور اس کی تفاصیل طے ہو رہی ہیں۔

بزم طلوع اسلام

یہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ظالم کی کھیتی کبھی پروان نہیں چڑھتی لیکن تاریخ انسانی پر نگاہ ڈالی جائے تو لاتعداد شواہد اس کی صداقت میں نہیں ملیں گے۔ جتنے اس کی تکذیب میں مل جائیں گے۔ آپ کو روزمرہ کی زندگی میں قدم قدم پر یہی شواہد ملتے ہیں کہ ظالم ظلم کے باوجود بلکہ ظلم کی بنا پر کامیاب نظر آتے ہیں۔ اور مظلوم ہیں کہ ان کی زندگی دن بدن دوبھر ہوتی جاتی ہے۔ تو کیا یہ کہنا غلط ہے کہ ظالم کی کھیتی کبھی پروان نہیں چڑھتی اور دنیا کا چلن یہی ہے کہ ظالم ہی پھلتا پھولتا ہے؟

کئی لوگ اس کا جواب یہی دیں گے کہ ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے کہ اہل ظلم فروغ پاتے رہے ہیں۔ اور شاید ایسا ہی ہوتا چلا جائیگا۔ وہ بہت حد تک ٹھیک کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ یہی دیکھتے ہیں کہ ظلم کو برا کہنے اور سمجھنے کے باوجود ظلم کی روک تھام نہیں ہو سکی اور ظالم کامیاب ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔ جب ان کے سامنے قرآن کا یہ دعویٰ پیش کیا جاتا ہے کہ ظالم کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ تو وہ اسے ایک اخلاقی وعظ سمجھ کر چنداں وقیع نہیں سمجھتے۔ وہ ایسا سمجھنے یا نہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں۔ کیونکہ اقبال کے الفاظ میں "رشی کے فاقوں" سے "برہمن کا طلسم" نہیں ٹوٹا کرتا، مظلوموں کی آہوں، بد دعاؤں یا گالیوں سے ظلم کا استیصال نہیں ہوتا۔ آج ظلم کو پھلتا پھولتا دیکھ رہے ہیں۔ تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم اس کا علاج اخلاقی مواعظ سے کر رہے ہیں جو غلط ہے۔

قرآن نے جب کہا کہ ظالموں کی کھیتی ہری بھری نہیں ہو سکتی تو کہنے کو تو قرآن نے ایک پرانی بات دہرائی۔ لیکن دراصل اس نے ایک سربستہ راز کا انکشاف کیا، وہ راز یہ تھا کہ قرآن ایسا نظام معاشرت دے رہا ہے۔ جو اسے سچ کر کے دکھائے گا (مصدقا لما معکم کا یہی مفہوم ہے) کہ ظالم کی کھیتی جھلس کے رہ جائے گی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ظلم کا استیصال نظام کے بغیر ممکن نہیں۔ جب نظام عملی شکل میں قائم ہوتا ہے تو اخلاقی اصول حقائق ثابتہ بن کر محسوس شکل میں سامنے آ جاتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیا معاشرہ کیسے قائم ہو؟ اس کیلئے قدم اول یہ ہے کہ آپ نئے معاشرے کو اپنے دل پر نقش کیجئے اور پھر جو کچھ آپ نے سمجھا ہے۔ دوسروں کو سمجھایئے۔ اس سمجھنے اور سمجھانے سے رفتہ رفتہ غلط معاشرے کے اندر ایک صحیح معاشرہ بنتا جائے گا۔ جوں جوں یہ جماعت بڑھتی جائے گی۔ اور آپس میں ربط باہمی پیدا ہوتا جائیگا جدید نظام کے اصول و مبادیات روزمرہ کی زندگی کو متاثر کرتے جائیں گے۔ حتیٰ کہ یکون الدین کلہ للہ۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ

موجودہ معاشرہ فاسد ہے۔۔ اور اس کی بجائے صحیح معاشرہ وہ ہے۔ جس کی نشان دہی قرآن کرتا ہے۔ تو اس معاشرے کی داغ بیل کے لئے قدم اٹھائیے۔ خود بھی اس رنگ میں رنگے جائیے اور دوسروں کو بھی اسی رنگ میں رنگتے جائیے۔ آپ یہ کوشش شروع کیجئے۔ اور اسے جاری رکھئے۔ پھر دیکھئے کیا نتیجہ نکلتا ہے آپ ان کوششوں کو بزم طلوع اسلام کا نام دیجئے۔ اور ان ہم خیالوں سے تعلق پیدا کیجئے۔ جو اسی طرح مصروف جدوجہد ہیں۔ اس جماعت میں شامل ہو کر آپ اپنے آپ کو تنہا محسوس نہیں کریں گے۔ اور آپ کی مساعی بار آور ہوں گی کہ

یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

گوجرانوالہ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب داؤدی میزان العدل گھنٹہ بازار گوجرانوالہ۔ بزم طلوع اسلام کی تشکیل کے لئے کوشاں ہیں۔ مقامی قارئین بدھ یعنی ۱۸ مئی کو شام کے ۶ بجے ان کے ہاں جمع ہوں۔

ماہنامہ طلوع اسلام کے پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے مندرجہ ذیل پرچے دفتر میں موجود ہیں:-

سنہ ۱۹۴۹ء	اگست، ستمبر، نومبر، دسمبر
سنہ ۱۹۵۰ء	نومبر (ایک پرچہ)
سنہ ۱۹۵۱ء	مارچ تا نومبر
سنہ ۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
سنہ ۱۹۵۳ء	جنوری کے علاوہ سب
سنہ ۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزم ہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیدیئے جائیں گے خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں ورنہ پرچے ختم ہوجانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام
کراچی

اردو اسٹینوگرافر کی ضرورت

طلوع اسلام کے لئے ایک اچھے اردو اسٹینو گرافر کی ضرورت ہے۔ تنخواہ اور تقرری کا فیصلہ ٹیسٹ کے بعد ہوگا۔ ضرورتمند حضرات فی الفور ناظم ادارہ سے ملاقات کریں۔ بیرونی حضرات کو اپنے خرچ پر ٹیسٹ کے لئے کراچی آنا ہوگا۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام کراچی

مطبوعات طلوعِ اسلام

معراج انسانیت از پرویز۔ سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ۔ مضبوط و حسین جلد مع گرد پوش۔
قیمت بیس روپے

ابلیس و آدم از پرویز۔ سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظرثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم۔ ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۰۰ صفحات
قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔

سلیم کے نام از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۵ صفحات
قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روز مرہ کی زندگی کے ساٹھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔ ۴۰۸ صفحات
قیمت چار روپے

اسباب زوال امت از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات
قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر۔ سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ۔ ۲۷۴ صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاج شناس رسول یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں۔ اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول! مزاج شناس کون ہیں؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۴ صفحات۔
قیمت چار روپے

مقام حدیث حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں۔ ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات اور
قیمت فی جلد چار روپے

فردوس گم گشتہ از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۱۶ صفحات
قیمت چھ روپے۔

نوادرات از علامہ اسلم جیراجپوری۔ علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ ۴۰۰ صفحات۔
قیمت چار روپے۔

اسلامی معاشرت از پرویز۔ مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینے میں۔ صفحات ۱۹۲
قیمت دو روپے

نظام ربوبیت از پرویز۔ انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور، دور حاضرہ کی عظیم کتاب۔ ضخامت سوا تین سو صفحے۔

قیمت۔ قسم اول　　چھ روپے
قسم دوم　　چار روپے

اقبال اور قرآن از پرویز۔ علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات ۲۵۶۔
قیمت دو روپے

نوٹ:- تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار۔

ملنے کا پتہ:- ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ء۔ کراچی

نقد و نظر

اساس عربی

مولفہ محمد نعیم الرحمٰن ایم اے۔ ضخامت ۳۳۰ صفحات، غیر مجلد، قیمت پانچ روپے۔ شائع کردہ:۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب۔ آرام باغ فریئر روڈ کراچی

اس کتاب میں عربی صرف و نحو کے قواعد آسان اور سلیس انداز میں بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے عربی کی عام صرف و نحو سے ہٹ کر اس میں سائنٹفک طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ کتاب کی بنیاد مشہور مستشرق تھیچر کی عربی گرامر پر رکھی گئی ہے۔ لیکن صرف و نحو کی دوسری مروجہ کتابوں سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ یہ کتاب آج سے کوئی ۲۴ برس پہلے ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ اب نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ نے زیر نظر ایڈیشن دوبارہ چھاپا ہے۔

کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں (جو ۹۱ صفحات پر مشتمل ہے) صرفی قواعد بیان کئے گئے ہیں اور دوسرے حصے میں نحوی قواعد ہیں جو ۳۲۳ صفحات پر ختم ہوتے ہیں۔ نحو کے سو عاملوں کو طلباء کی آسانی کے لئے اس طرح ایک نظم میں بیان کر دیا گیا ہے کہ سارے عوامل کے خواص اور ان کا طریق استعمال بآسانی یکساتھ ان کی سمجھ میں آجائے گا۔ اگر طلباء یہ نظم جو صرف ایک صفحہ کی ہے یاد کر لیں تو بہت سی نحوی غلطیوں سے بچ سکتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں چھ صفحات میں صرفی و نحوی اصطلاحات کے انگریزی مترادفات شامل کر دیئے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

کتاب کے شروع میں مصنف کا مختصر سا دیباچہ ہے جس میں انھوں نے عربی زبان کی فضیلت بیان کی ہے۔ اور عام مسلمانوں کو اس کے سیکھنے کی ترغیب دی ہے۔

یہ کتاب عام اردو داں طبقہ، عربی مدارس اسکولوں اور کالجوں میں عربی کا مضمون لینے والے طلباء کے لئے یکساں مفید ہے۔

مثنوی گلشن عشق

تصنیف ملا نصرتی۔ مرتبہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب۔ ضخامت ۲۲۳ صفحات غیر مجلد، قیمت ساڑھے چار روپے، شائع کردہ:۔ انجمن ترقی اردو (پاکستان) اردو روڈ۔ کراچی علہ

زیر نظر مثنوی عادل شاہیہ بیجاپور کے ملک الشعرا ملا نصرتی کی تصنیف ہے۔ جسے ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے تصحیح و تحشیہ اور مقدمہ و فرہنگ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ انجمن ترقی اردو نے اردو کی قدیم اور نایاب کتابوں کی اشاعت کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ یہ کتاب بھی اسی کی ایک کڑی ہے۔ کتاب کی زبان دکنی اردو ہے۔ مگر اکثر قطب شاہی اور عادل شاہی شعراء کے مقابلہ میں نصرتی کی زبان زیادہ صاف ہے۔ اور معمولی سے غور و فکر کے بعد مطلب سمجھ میں آجاتا ہے۔ کتاب کے آخر میں تیس صفحے کا ایک فرہنگ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ جس سے کتاب کو سمجھنے میں کافی آسانی ہو گئی ہے۔ یہ مثنوی ولی دکنی سے بھی ساٹھ ستر برس قبل لکھی گئی تھی۔ یہ اس دور کا حال ہے جو بیت چکا۔ اور ان امتوں کی داستان ہے جو گذر گئیں۔ اب پیچھے مڑ کر ان کہانیوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارا کارواں کن وادیوں اور راہوں سے ہو کر گذرا ہے۔ اپنے موجودہ مقام کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ کبھی کبھی گذرے ہوئے مقامات سے اس کا تقابل کر لیا جائے۔ ایسی کتابیں اس تقابل کا اچھا موقعہ مہیا کرتی ہیں۔ اور یہی ہمارے نزدیک ان کی تاریخی حیثیت ہے۔ ورنہ ان کی حقیقی قیمت (INTRINSIC VALUE) نہ اپنے زمانہ میں کچھ تھی نہ اب ہے۔

سیر افلاک

مرزا محمد رشید ایم اے۔ سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج کیمبلپور

ضخامت ۲۳۶ صفحات۔ قیمت غیر مجلد ساڑھے تین روپے مجلد چار روپے۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو پاکستان۔ اردو روڈ کراچی۔

فلکیات بہت ہی تحیر انگیز لیکن اس کے ساتھ ہی دلچسپ موضوع ہے۔ اگر فلکیات کے مسائل بہت ہی سیدھے آسان انداز میں پیش کئے جائیں۔ تو بقول ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب "افسانے کا مزہ آنے لگتا ہے"۔ اس موضوع پر انگریزی میں تو بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ مگر اردو میں اس پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ اور جو کچھ لکھا بھی گیا ہے۔ وہ نہ لکھنے کے برابر ہے مرزا محمد رشید صاحب کی زیر نظر کوشش بڑی حد تک کامیاب ہے کہ انھوں نے اس اہم موضوع پر نہایت سادہ انداز میں گفتگو کی ہے۔ اور اس سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اچھا خاصہ سامان فراہم کر دیا ہے۔ انگریزی اصطلاحات کے بالمقابل اردو اصطلاحات بھی دیدی گئی ہیں۔ کتاب کا پیش لفظ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے لکھا ہے۔ یہ کتاب عام پڑھے لکھے لوگوں کے حلقہ میں عام طور سے اور طالب علموں کے حلقے میں خاص طور پر مقبول ہو سکتی ہے۔

طلوع اسلام کا دفتر

۱/۲۳ فاؤلرز لائن نیپیئر بیرکس میں واقع ہے۔ صدر کی طرف سے آنے والے حضرات نیپیئر بارکس میں داخل ہو کر بجائے سیدھے جناح اسپتال کی طرف جانے کے بائیں ہاتھ ڈرگ روڈ کی طرف مڑ جائیں تو تھوڑے فاصلہ پر بائیں ہاتھ کو پی ڈبلیو ڈی کے انکوائری آفس کے عقب میں طلوع اسلام کا دفتر ہے۔

اسی دفتر میں ہر اتوار کو صبح ۹ بجے محترم پرویز صاحب قرآن پر لیکچر دیتے ہیں۔

قرانی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے - ظاہر ہے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ہوگا اسی قدر قرانی فکر عام ہوگا اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا - اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ہے - یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا دس* روپے کی ماہانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تا آنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ہوجائے۔ اس طرح - - - -

- آپ کی پیشگی رقم سے ہمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی - اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی - اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نہیں ہوئے تو اب شامل ہوجائیے -

* پہلے ماہانہ قسط کی رقم کم سے کم پچیس روپے تھی لیکن اب متعدد قارئین کے اصرار پر اسے بدل کر دس روپے کر دیا گیا ہے - جو احباب دس روپے سے زیادہ قسطیں دینا چاہیں وہ دے سکتے ہیں -

معاملہ کی ضروری باتیں

- طلوع اسلام آپ کا اپنا ادارہ ہے اس لئے اس سے اسی طرح کا برتاؤ کیجئے جس طرح اپنوں سے برتاؤ کیا جاتا ہے - یہ بھی آپ سے ایسا ہی برتاؤ کریگا -
- حساب میں بعض اوقات غلطی ہوسکتی ہے - ایسی غلطی باہمی افہام و تفہیم سے صاف کرلیجیے -
- رسالہ کے انتظامی معاملات کے متعلق الگ خط لکھئے - کتابوں کے لئے الگ -
- مضامین کے متعلق مدیر کے نام علحدہ خط لکھئے - نیز استفسارات مدیر کے نام الگ بھیجئے -
- پتہ کی تبدیلی سے کم از کم دو ہفتہ پہلے اطلاع دیجئے -
- پرچہ نہ ملنے کی اطلاع تاریخ اشاعت کے ایک ہفتہ کے اندر دیجئے - بعد میں رسالہ قیمتاً بھیجا جائیگا -

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳ - کراچی - ۳

دورِ حاضرہ کی عظیم کتاب

✡ نظام ربوبیت ✡

(از - پرویز)

شائع ھوگئی ھے۔ اس میں بتایا گیا ھے کہ قرآن کی رو سے اس زمین پر انسان کے سب سے اھم سوال۔ یعنی

معاشی مسئلہ

کا حل کیا ھے۔ انسانی عقل اس کے حل سے کس طرح قاصر رھی ھے اور وحی خداوندی نے اسے کس خوبصورتی سے حل کردیا ھے۔ رزق کے سر چشموں پر

ذاتی ملکیت

کیا نتائج پیدا کرتی ھے اور قرآن اس باب میں کیا کہتا ھے۔ چونکہ اس کتاب کی عام اشاعت مقصود ھے اس لئے اسے دو قسموں میں شائع کیا گیا ھے۔

قسم اول: کاغذ سفید کرنافلی جلد مضبوط مع گردپوش۔ چھہ روپے

قسم دوم: کاغذ میکانیکل صرف ڈسٹ کور کے ساتھہ۔ چار روپے

دونوں صورتوں میں محصول ڈاک الگ ھے۔

بہت جلد فرمائشیں بھیجیں۔ جن حضرات کی پیشگی رقم جمع ھے اُنھیں قسم اول از خود بھیجدی جائیگی۔ اگر وہ کتاب نہ لینا چاھیں یا قسم دوم لینا چاھیں تو بہت جلد اطلاع بھیجدیں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ء - کراچی-۳.

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1, Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi. Editor: KHURSHID ALAM